تاثیرِ ماتم

شاعرِ اہلبیت علامہ نجم آفندی

کے نوحوں کا مجموعہ

تاثیرِ ماتم

شاعرِ اہلبیتؑ

(علاّمہ نجم آفندی کے نوحوں کا مجموعہ)

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

کتاب	:	**تاثیرِ ماتم**
تحقیق وتدوین اور تنقید	:	**ڈاکٹر سیّد تقی عابدی**
سنہ اشاعت	:	2006ء
تعداد	:	1000
کمپوزنگ	:	افراح کمپیوٹر سنٹر نئی دہلی۔ 25
ایڈیشن	:	اوّل
باہتمام	:	**ڈاکٹر شاہد حسین**، نئی دہلی

یہ کتاب

مرتب محقق و ناقد ڈاکٹر **سیّد تقی عابدی** (کنیڈا) اور

ناشر **ڈاکٹر شاہد حسین**، شاہد پبلی کیشنز، 2253 دریا گنج، نئی دہلی (انڈیا)

کی اجازت سے شائع کی گئی

رَو میں ہے رَخشِ عمر

نام	:	**سیّد تقی حسن عابدی**
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلّص	:	تقی
والد کا نام	:	سیّد سبطِ نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ) ایف آر سی پی (کنیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کنیڈا
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف	:	شہید (1982ء) جوشِ مودّت۔ گلشن رویا۔ اقبالؔ کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاؔء۔ رموز شاعری۔ اظہار حق۔ مجتہد نظم مرزا دبیر۔ طالع مہر۔ سلکِ سلام دبیرؔ۔ تجزیہ یادگار انیسؔ۔ ابواب المصائب۔ ذکر دُربا ران۔ عروسِ سخن۔ مصحفِ فارسی دبیرؔ۔ مثنویاتِ دبیرؔ۔ کائنات نجم۔
زیر تالیف	:	تجزیہ شکوہ جواب شکوہ۔ رباعیات دبیرؔ۔ فانی شناسیؔ۔ مصحفِ تاریخ گوئی۔ روپؔ کنوار کماری۔ تعشق لکھنوی۔

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

دردِ دل

کس کس سے سوال کروں؟

علامہ نجم آفندی نے کہا تھا:

میں خود ہوں مطمئن اے نجم ادب کی خدمت سے
جگہ نہ دے کہیں تاریخِ روزگار مجھے

① اردو کے مشاہیر شعرائے غزل نے نجم کی قدر دانی کیوں نہ کی؟
(195) عمدہ اور اعلیٰ ترین غزلوں کو کیوں نظر انداز کیا گیا؟
کیا 1955ء کا آل انڈیا مشاعرہ یاد نہیں جس میں نجم نے مشاعرہ لوٹ لیا تھا؟ ٥

② اردو کے ترقی پسند تحریک کے نمائندوں نے کیوں نجم کو نظر انداز کیا؟ اردو ادب میں کسان، مزدور، مزدوری اور سرمایہ داروں کے خلاف نظموں میں پہلی آواز علامہ اقبالؔ اور جوشؔ سے قبل نجم کے سوا کس نے بلند کی؟ اگر بقول سلیمانؔ ندوی، حسرتؔ موہانی اسلامی اور سوشلسٹ رجحان رکھ کر بیسویں صدی کے ابوذر غفاری ہوسکتے ہیں اور تحریک کے بھی پسندیدہ شاعر رہ سکتے ہیں تو نجم کی مسلمانی کیوں برداشت نہ ہوئی؟

3 نعت کے پرستاروں نے صدہا نعتیہ آبدار اشعار اور سولہ سے زیادہ نعتوں کو کیوں طاق نسیاں کے سپرد کیا؟

کیا تجمّم کے اس شعر میں کسی کو شک ہو سکتا ہے؟

اے تجمّم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ
کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں

4 کیوں افسانہ نویسوں نے عمدہ افسانہ ''چور ماموں'' نہیں پڑھا؟ کیوں ناول نگاروں نے تخلیقی شاہکار ناول ''بندۂ خدا'' کو فراموش کیا؟

شریک حال نہ ہوتی جو تجمّم خودداری
ہمارے غم کا فسانہ غمِ جہاں ہوتا

5 اردو میں کتنے شاعر ہیں جنھوں نے تجمّم کی طرح چھ سو سے زیادہ عمدہ رباعیاں لکھیں؟ کیوں اردو رباعیات لکھنؤ کے پی ایچ ڈی (Ph.d) کے مقالے میں تجمّم کا نام تک نہیں؟ جبکہ پانچ اور دس رباعی کہنے والے افراد کا ذکر آب و تاب کے ساتھ ہے۔ کیا اس قسم کے مقالوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

6 شاعرِ اہلِ بیتؑ کا خطاب دے کر محبانِ اہلِ بیتؑ کیوں تجمّم سے غافل ہو گئے؟ مولویوں، خطیبوں نے منبر سے کیوں ان کا پیغام نہیں پہنچایا؟ سلاموں، نوحوں، مرثیوں کو لے کر دوسرے انتقادی کلام کو کیوں تلف کر دیا؟ کراچی میں اتنے بڑے شاعر کے جنازے میں کیوں صرف بیس (20) پچیس (25) افراد شریک ہوئے؟

7 کیوں تجمّم کے کلام کو محبانِ اہلِ بیتؑ، گروہانِ نوحہ خوان، پرستارانِ تجمّم، شاگردانِ رشید، عزیز و اقربا نے انتقال کے تیس (30) برسوں میں بھی شائع نہیں کیا؟ اگرچہ تجمّم نے کہا تھا:

ہم تجمّم چار روز کے مہمان ہیں مگر
رہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات

(8) اردو ادیبوں اور تنقید نگاروں نے اس بیسویں صدی کے عظیم شاعر سے کیوں غفلت برتی؟ تجمؔ کے (12799) اشعار، (195) غزلیں، (591) رباعیات، (498) قطعات، (16) نعتیں، (81) قصائد، (107) سلام، (144) نوحے، (83) متفرقات کے علاوہ (3) مرثیے، (18) ہندی کلام کے آثار اور کئی نثری کتابیں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موجود ہیں:

آج اردوے معلّیٰ کی اشاعت کے لئے
یہ غنیمت ہے کہ تجمؔ نکتہ داں باقی رہا

میں نے حقیقت کو پیش کیا ہے:

تجمؔ بہتر ہے تصنّع کی دلآویزی سے
تلخ لہجے میں حقیقت کا بیاں ہوجانا

(9) کانگریس، مسلم لیگ اور دوسرے قومی سیاسی عہدے داروں نے ایسے وطن دوست شاعر کو وطن کی محبت میں کیا دیا؟ جبکہ

ع : منزل انھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

کائناتِ تجمؔ ان تمام سوالوں کا جواب رکھتی ہے۔ صرف گردشِ اوراق شرط ہے۔ شاید یہ میری تجمی عقیدت اور اُردو محبت ہو۔ یہ ایک خوشگوار حادثہ تھا جس کے فیض سے میں کائناتِ تجمؔ کو دریافت کرسکا:

یہ بھی اک حادثہ اُردو کی محبت کا ہے تجمؔ
کنجِ عزلت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں

خیر اندیش

سیّد تقی عابدی

ڈاکٹر سید تقی عابدی

نجم آفندی کا زندگی نامہ

نام مرزا تجمل حسین
تخلص نجم۔ نجمی
شہرت نجم آفندی
گھریلو نام نادر مرزا

تاریخ ولادت: رمضان 1330 ہجری مطابق 1893ء

مقام ولادت: اکبرآباد (آگرہ) کٹرہ حاجی حسن جو پیپل منڈی کے پیچھے واقع ہے۔

والد مرزا عاشق حسین بزم آفندی۔ معروف شاعر اپنے سگے ماموں سید اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی متوفی 1880ء کے شاگرد رہے۔ ان کی پیدائش 1860ء میں کٹرہ حاجی حسن آگرہ میں ہوئی۔ شادی آغا حسین صاحب صاحب دیوان شاعر کی بیٹی سے ہوئی۔ دوسری شادی ایک انگریز خاتون سے ہوئی۔ آپ بزم تخلص کرتے تھے۔ معروف غزل گو اور مرثیہ گو شاعر تھے۔ بزم آفندی کا انتقال 23 مارچ 1953ء کو ہوا۔

دادا مرزا عباس ملیح جو مرزا نجف علی بلیغ کے فرزند تھے جو مرزا فصیح مشہور مرثیہ گو شاعر کے حقیقی بھائی تھے۔ اسی لیے تو نجم آفندی نے مرزا فصیح کی میراث پر فخر کرتے ہوئے فرمایا:

نجم میں ہوں خاک پائے مسند آرائے فصیح
مدح کی دولت ملی ہے ورثۂ اجداد سے

پرداد‌ا: مرزا ہادی علی فیض آبادی۔ مرزا ہادی علی کے تین فرزند تھے۔ (1) مرزا جعفر علی فصیح (2) مرزا نجف علی بلیغ (3) مرزا فصیح۔ ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم لکھتے ہیں۔ ''نجم آفندی کے پردادا ہادی علی فیض آبادی حضرت عقیل ابن ابی طالب علیہ السلام کی نسل سے تھے لیکن جب ان کے بزرگ بلاد ایران میں رہنے لگے تو وہاں ''مرزا'' مشہور ہوگئے تھے۔ ہندوستان میں آمد کے بعد ان کے بزرگ شاہجہاں آباد (دہلی) میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔

معز الدین قادری اسرار و افکار میں لکھتے ہیں۔ نجم آفندی کے پردادا مرزا ہادی علی فیض آباد کے محلّہ ''مغل پورہ'' میں رہتے تھے چنانچہ نجم آفندی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مرے بزرگوں کا اصلی وطن ہے فیض آباد
مجھے بھی شوق تھا دیکھوں میں یہ در و دیوار

اجداد: نجم آفندی کے اجداد ترک نسل سے تعلق رکھتے تھے جو ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد ہوئے۔

بھائی بہن: دو بھائی (1) مرزا اعجاز حسین مرحوم اکیس برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ یہ عمر میں نجم سے بڑے تھے۔

(2) مرزا سلیمان کوکب آفندی، چھوٹے بھائی جن کی صاحبزادی مشہور مرثیہ نگار شاعر باقر زیدی کی شریک حیات ہیں۔ ایک بہن شہزادی فرطیس بانو اختر جہاں کج کلاہ پروین پیدائش 1901 جو بزم آفندی کی دوسری انگریز بیوی کے بطن سے تھیں۔ پروین کج کلاہ عمدہ شاعرہ تھیں۔

شریکِ حیات: 1958ء میں گلے کی کینسر سے انتقال کر گئیں۔ کانپور کے ایک معزز گھرانے کی صاحبزادی تھیں۔

اولاد: (1) پانچ لڑکے۔ جن میں چار لڑکے عباس، کامران، تاجدار اور تسلیم بچپن میں مرگئے اور اکلوتے بیٹے ہمایوں مرزا المتخلص سہیل آفندی حیات ہیں اور حیدرآباد

دکن میں مقیم ہیں۔

(2) سات لڑکیاں۔ ایک بیٹی کا کمسنی میں انتقال ہوگیا۔ دوسری لڑکی ناکتخدا تھی۔ دو بیٹیاں شادی کے بعد پاکستان چلی گئیں اور دو بیٹیاں ہندوستان میں مقیم رہیں۔

تعلیم وتربیت: 1- تجمّل آفندی کی اردو اور فارسی تعلیم گھر پر ہوئی۔

-2 قرآن مجید اپنے چچا مرزا ہادی علی سے پڑھا

-3 مفید عام اسکول آگرہ سے انگریزی میں مڈل پاس کیا۔ اس اسکول میں اردو فارسی مولوی سلامت اللہ سے اور انگریزی اسکول کے ہیڈ ماسٹر راج کمار سے پڑھی۔

-4 اسرار و افکار کے دیباچہ میں معز الدین قادری لکھتے ہیں۔ ''تجمّل آفندی کو اردو فارسی اور انگریزی کے علاوہ ہندی زبان میں بھی درک ہے۔ ان کی ہندی زبان میں بھی تصنیفات ملتی ہیں۔''

-5 ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی دبستان دبیرؔ میں لکھتے ہیں۔ تجمّل آفندی اردو، فارسی اور عربی اچھی جانتے ہیں اور انگریزی میں بھی اچھا درک رکھتے ہیں۔

-6 ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے تجمّل آفندی فکر وفن میں لکھا۔ ''اردو فارسی کی حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن محض قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کو عربی تعلیم کا حصول سمجھ کر مالک رام اور ڈاکٹر ذاکر حسین کو مغالطہ ہوا ہے۔ خود تجمّل آفندی نے اپنے خط میں عربی نہ پڑھ سکنے کے بارے میں لکھا ہے۔

-7 اردو فارسی اور انگریزی کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا۔ انھیں گھر پر عام طور سے انگریزی ناول کو بھی مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا گیا۔

-8 تجمّل آفندی شمشاد حسین کے نام خط میں لکھتے ہیں ''میری تعلیم اس زمانے کے مڈل تک ہوگی مگر کم از کم انگریزی کی دو ہزار کتابیں ہر قسم کی میری نظر سے گزری ہیں۔

شکل وصورت: شکل وصورت تصویر سے ظاہر ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ تجمّل آفندی کا قد تقریباً پانچ فٹ تھا۔ بدن چھریرہ، رنگت سرخ وسپید تھی۔ چہرہ گول خوبصورت ناک اور باریک ہونٹ کے ساتھ بڑے کان اور سر بھی نسبتاً بڑا تھا۔ آخری عمر میں بال

بہت کم رہ گئے تھے۔ خشخشی داڑھی جو مونچھوں سے متصل تھی۔ آواز رعب دار اور چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔

وضع اور لباس: نجم آفندی نستعلیق شخصیت تھے۔ وہ مشرقی روایات کے پاسدار اور اسلامی تہذیب کے نمونہ تھے۔ جوش ملیح آبادی نے ساقی جوش نمبر میں لکھا۔ ''حضرت نجم آفندی جو اس قدر دین دار و پابند وضع بزرگ ہیں کہ قہقہہ مارنے کو بھی خلافِ شرع سمجھتے ہیں۔''

نجم آفندی کے لباس میں سادگی تھی۔ وہ عام طور پر سفید شیروانی، سفید پائجامہ، مخمل کی کالی ٹوپی پہنتے تھے۔ کبھی کبھار کالی شیروانی پر شال اوڑھ لیتے تھے۔ پاؤں میں معمولی سلیپر یا جوتا ہوتا۔ ہاتھ میں ہمیشہ چھڑی رکھتے تھے۔ عینک صرف حسبِ ضرورت لگاتے۔

غذا و خوراک: نجم آفندی کم خوراک تھے۔ دیسی گھی اور گڑ سے شدید رغبت تھی۔ ان کی گھی اور گڑ کی چاہت کی کئی داستانیں لوگوں نے بیان کی ہیں۔

سیرت و کردار: ہم نجم آفندی کی سیرت اور عالی کردار کے ساتھ عجز و انکساری کا مختصر خاکہ معز الدین قادری اور ذاکر حسین فاروقی کی تحریروں سے پیش کرتے ہیں۔ اسرار و افکار کے دیباچہ میں معز الدین قادری نے لکھا ہے۔ ''خاندانی روایات مذہبی تعلیم و تربیت اسلام کی عظیم شخصیتوں کے نقوشِ قدم کو اپنا راستہ بنانے کی سعی و تمنا نے ان کو کافی متوازن، معتدل مزاج اور بنی نوع انسان کا ہمدرد بنا دیا ہے۔ ان کی آنکھوں میں بصیرت کی چمک ہے اور سنجیدگی کے نہ جانے کتنے راز ہیں۔ انھیں بنی نوع انسان سے محبت ہے۔ شخصی اور مذہبی عقائد پر خود سختی کے ساتھ کاربند ہیں لیکن سیرت و کردار میں کہیں بھی ''ملا پن'' یا پندار زہد'' کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سوانگ موجود نہیں۔ بُردبار، حلیم، خوش خلق اور مصیبتوں میں مسکرانے والی شخصیت ان کے سارے کلام سے جھلکتی ہے اور انھیں یہ کہنے کا حق ہے

میری تلاش راہ پہ ہنستے ہیں آج قافلے
شمع بنائی جائے گی کل میری گردِ راہ کی

بقول جوش ملیح آبادی۔ جہاں تک طبائع کا تعلق ہے، باپ بیٹے میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ ایک رنگین مزاج شاعر تھے اور ان کو رنگینی کبھی چھو کر نہیں گئی تھی۔ وہ سراپا رند تھے اور یہ سرتا بہ قدم متقی اور خشک قسم کے متقی تھے۔

دبستانِ دبیر میں ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی بیان کرتے ہیں: ''مروّت وضع داری، ایفائے وعدہ، حُسنِ معاشرت اور بڑے چھوٹوں کے ساتھ یکساں برتاؤ آپ کے کردار کی وہ خوبیاں ہیں جو ہر شخص کے دل میں جگہ پیدا کر لیتی ہیں۔ نجم صاحب نے اپنی زندگی کے جو اصول بنائے تھے وہ تاحیات ان پر کاربند رہے اور اخلاقی و روحانی اعتبار سے انھوں نے ایک کامیاب زندگی گزاری اور ان کی کامیاب زندگی ''قابلِ رشک موت'' کی ضامن بن گئی۔ بقول خود:

کچھ شعر جو منقبت میں کہہ لاتا ہے
اس خواب سے اپنے دل کو بہلاتا ہے
موزوں ترے کردار پہ بھی ہے یہ خطاب
تو شاعرِ اہل بیت کہلاتا ہے

شغل و ملازمت:

-1 ریلوے محکمہ میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اس وقت نجم کی عمر بیس سال تھی۔

-2 پھر دہلی میں ملازمت کی۔

-3 کالکا اسٹیشن اور غازی پور اسٹیشن پر کچھ عرصہ ملازم ہوئے۔

-4 تحریکِ ترکِ موالات سے متاثر ہو کر ریلوے کی ملازمت ترک کر دی اور تلاش معاش میں ردولی پہنچے اور کچھ عرصہ کاشتکاری کی۔

-5 جونیئر پرنس معظم جاہ شجیع کے دربار سے منسلک ہوئے۔ ان کے سپرد پرنس کے کلام کی اصلاح تھی۔ تنخواہ بھی اس کام کی پاتے تھے۔ نجم کی ماہانہ تنخواہ دوسو روپے ماہوار تھی۔

-6 دربار سے علاحدہ ہو کر مالی پریشانیوں میں بسر کی اور اپنی خود داری کو نبھانے اور پیٹ

کی آگ بجھانے کے لیے پتھر بازار حیدرآباد میں جوتوں کی دکان تک کھولی۔
تف بر تو اے چرخ پیر کہ شاعرِ اہلِ بیتؑ کو اتنی بڑی قوم تنگ دستی میں سہارا نہ دے سکی جبکہ تمام قوم اور تاجر ان کے کلام سے روحانی اور اقتصادی فائدہ اٹھارہے تھے۔ اسی لیے تو اپنے خطوط میں اس طرح گلہ کیا ''آج ہندوستان میں تبت سے راس کماری تک میرے نوحے پڑھے جارہے ہیں لیکن مالی فائدہ دوسرے اٹھارہے ہیں'' 'کاروانِ ماتم' لاہور والوں نے میری اجازت و اطلاع کے بغیر شائع کرلی ہے۔ لکھا تو جواب تک نہیں دیتے۔ یہ قدردانی ہورہی ہے۔ ہم تکلیف اٹھارہے ہیں اور یہ نفع کمارہے ہیں۔''

شاعری کا آغاز: ۱۲ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا۔ ابتدا غزل گوئی سے کی۔ شاہ نیاز وارثی کی غزل پر مصرعے لگائے

زہے عزّو جلالی بو ترابی فخرِ انسانی
علیِ مرتضیٰ مشکل کشائی شیرِ یزدانی

پہلا مشاعرہ: جس مشاعرے سے نجم کی شاعری کا تعارف ہوا وہ خود ان کے گھر کے سامنے منعقد کیا گیا تھا جس میں اکابر شعرا نے شرکت کی تھی۔ نجم کی غزل کا مطلع تھا:

چاندنی میں تم ذرا گھر سے نکل کر دیکھتے
قبرِ عاشق اور ایک میلی سی چادر دیکھتے

شاگردی: شاعری کے آغاز میں اپنے والد بزمؔ آفندی کی شاگردی کی لیکن بہت جلد ہی اصلاح سے بے نیاز ہوگئے۔

صحبت اساتذہ: نجم آفندی کو گھریلو ماحول کے علاوہ اپنے دہلی کے قیام کے دوران نواب سائلؔ دہلوی، بے خودؔ دہلوی، پنڈت امرناتھ ساحرؔ، منشی امیر اللہ تسلیم، شوکت علی میرٹھی، عبدالرؤف عشرتؔ، ناصر علی خاں مچھلی شہری اور وقارؔ کانپوری جیسے شعرا شامل تھے۔ انھیں اساتذہ نے نجم کی شعری صلاحیتوں سے متاثر ہوکر کہیں اس نوجوان شاعر کو صدر مشاعرہ بنایا تو کہیں راجہ پنڈراول نے ان کی شاہکار نظم کو (1800) سو روپیوں

میں خرید کر یہ رقم یتیم خانہ کی خدمت کے لیے وقف کردی۔ کبھی محفل مقاصدہ میں صفؔی لکھنوی کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ "نجم صاحب ہم نے بائیس (22) سال اس محفل میں چراغ جلایا ہے اب آپ کی باری ہے۔"

خطاب: ناصر الملّت نے نجم آفندی کو "شاعر اہلبیت" کا خطاب دیا جو نجم آفندی کے مسلسل سلام اور قصیدہ نگاری کا اثر تھا۔

یہاں یہ بات بھی خارج از محل نہیں کہ نجم آفندی کے دادا کے بھائی مرزا فصیح کو خلافت عثمانیہ کی جانب سے آفندی خطاب کعبتہ اللہ اور حاجیوں کی خدمت کرنے پر دیا گیا تھا جو نسلاً بعد نسل استعمال ہوسکتا تھا۔

ہم عصر شعراء: حالؔی، اکبرؔ الہ آبادی، اقبالؔ، سائلؔ دہلوی، منشی امیر اللہ تسلیمؔ، نسیمؔ، حسرتؔ موہانی، صفؔی لکھنوی، مرزا اوجؔ، دولھا صاحب عروجؔ، مرزا ثاقبؔ، آرزوؔ لکھنوی وغیرہ بزرگ عمر ہم عصر شعرا تھے جب کہ ان کے ہم عمر شعرا میں فانؔی، جوشؔ، صدق جائسی، یگانہ، سیمابؔ، مہذبؔ لکھنوی، نسیمؔ امروہوی، رئیسؔ امروہوی، سید آل رضاؔ وغیرہ شامل تھے۔

تلامذہ: نجم آفندی کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خود انھوں نے جو فہرست جلیس ترمذی کو روانہ کی تھی اس میں (69) نام تھے۔ وہ بعد میں بڑھ کر (72) ہوگئی، اور کچھ اس طرح ہے جسے ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے نجم آفندی فکر و فن میں نقل کیا ہے۔ رعنا اکبر آبادی، جعفرؔ مہدی، رزمؔ رودلوی، صفدرؔ حسین کاظمی، عبدالسعید رشکؔ، عابد مرحومؔ، وزارتؔ علی، علی انجم اکبر آبادی، مرزا عبدالکریم مضطرؔ، کوکبؔ اکبر آبادی، جلیسؔ ترمذی، انتظامؔ الحسینین، خاورؔ نوری، سعیدؔ شہیدی، مرزا عادلؔ، ساجدؔ رضوی، شاہدؔ حیدری، حازمؔ رضوی، تائبؔ جعفری، عباسؔ عابدی، خورشیدؔ جنیدی، باقرؔ منظور، طاہرؔ عابدی، خواجہ ضمیر، کاوشؔ حیدری، منجوؔ قمر، راحتؔ عزمی، تصورؔ کرت پوری، عباس زاہدؔ، شہیدؔ یار جنگ، ہشیارؔ جنگ، ڈاکٹر اخترؔ احمد، تبسمؔ نظامی، طالبؔ رزاقی، حرماںؔ خیر آبادی، عاصم جمیلؔ، ساحرؔ نجمی، سعیدؔ السائمہ، زیباؔ رودلوی، پرنس معظم جاہ شجیعؔ، ہاشمؔ جاں بہادر، اخترؔ زیدی، حسن مدنی، اثرؔ غوری، کاظمؔ رشک، شاغلؔ حیدر آبادی، صمیمؔ

حیدر، محبؔ جاورہ، صادقؔ نقوی، سوزؔ رضا ترمیم، تقیؔ عسکری، اقبالؔ عابدی، سید جعفر حسنین، زاہدؔ رضوی، ظہیرؔ جعفری، آغا ماہرؔ، باذلؔ عباس ضیغم، ساترؔ، ثاقبؔ، سعادت نظر، عبدالحی خاں، شارقؔ، بانوؔ سید پوری، نظیرؔ سیہوری، عقیلؔ نجمی، سہیلؔ آفندی، روپؔ کماری، بیدارؔ نجفی اور وفاؔ ملک پوری وغیرہ۔

ڈاکٹر نواز حسن زیدی لکھتے ہیں کہ تلامذہ کی اصلاح کے وقت نجم آفندی کے ہاں وہی جذبہ کارفرما ہے جسے عشقِ اہل بیت کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ تلامذہ کے کلام کی اصلاح کے لیے باقاعدہ اصول وضع کر رکھے تھے۔ شاگردوں کے خطوط کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ''مجھے امید نہیں کہ جلد تمھارا کلام دیکھ کر بھیج سکوں گا۔ از روئے انصاف سلسلہ وار دیکھتا ہوں'' آج کل چار طرف سے پاکستان اور ہندوستان سے اصلاح کا کلام آرہا ہے۔ سر اٹھانے کی مہلت نہیں۔ دماغ بھی کام دیتا ہے تو ہاتھ کانپتا ہے کس کس کو منع کروں اور کیسے ممکن ہے مدحِ اہل بیت کا مسئلہ ہے۔

مدت مشقِ سخن: تقریباً ستر (70) سال

مسافرت برائے شاعری: دہلی، کانپور، لکھنؤ، حیدرآباد، کراچی، کلکتہ، بنارس، لاہور ہی نہیں بلکہ دور دراز کے چھوٹے مقامات پر بھی تبلیغ پیامِ اہل بیت میں مشغول رہے۔ چنانچہ فیض آباد، بریلی، بارہ بنکی، سیتاپور، بھرت پور، اجین، مدراس اور بلرام وغیرہ کے لوگ بھی موصوف کے کلام کے دلدادہ رہے۔

زیارت عتبات عالیہ: 1950ء اگست میں زیارتوں کے لئے عراق گئے اور مختلف مقامات مقدسہ پر حاضری دی اور اپنے تاثرات کو منظوم لکھ کر ''تاثرات زیارت'' کے عنوان سے شائع کیا۔

تصنیفات: راقم کو کائنات نجم آفندی مرتب کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ نجم آفندی کی تصانیف تقریباً عنقا ہیں۔ نجم آفندی کی چالیس (40) سے زیادہ تصانیف شائع ہوئیں۔ سب سے پہلی تصنیف ان کے کلام کا مجموعہ 1917 میں اور آخری تصنیف

''لہو قطرہ قطرہ'' ان کے انتقال کے چار سال بعد 1979ء میں شائع ہوا۔ علامہ ضمیر اختر نقوی نے لکھا ہے کہ تجم آفندی نے حیات میں چند تصانیف مرتب کی تھیں مثلاً ''گلدستہ نعت'' ''مذہبی رباعیات'' ''قومی اور مذہبی نظموں کا مجموعہ'' ''خودنوشت سوانح حیات'' جو نامکمل رہ گئی تھی جو کبھی شائع نہ ہوئیں۔ نیز تجم کے مضامین کا کوئی مجموعہ بھی ترتیب نہیں دیا گیا۔

تجم مرحوم کی تصانیف کی فہرست جو ضمیر اختر نقوی نے مرتب کی ہے یہاں پیش کی جارہی ہے۔ باضافہ چند تصانیف جو بعد میں شائع کی گئی ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
1.	پھولوں کا ہار	1917ء	آفندی بک ڈپو، آگرہ	پہلا مجموعہ کلام۔ ادبی، اخلاقی قومی نظموں کا مجموعہ وہ نظمیں جو شیعہ کانفرنس میں پڑھی گئی تھیں۔
2.	قصائد تجم	1943ء	آفندی بک ڈپو، آگرہ	رباعیات (32) قصائد اور نظمیں (25)
3.	تہذیب مودت	1943ء	تاج پریس، یوسف آباد، حیدرآباد	رباعیات (140)
4.	اشاراتِ غم حصہ اول	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (32) نوحے
5.	اشاراتِ غم حصہ دوم	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (33) نوحے
6.	اشاراتِ غم حصہ سوم	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (21) نوحے
7.	کربل کی آہ	———	کتب خانہ اثناعشری، لکھنؤ	جدید نوحہ جات (9) نوحے
8.	آیاتِ ماتم	1361ھ	نظامی پریس، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض
9.	تصوراتِ غم	1943ء	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
.10	کربل نگری	1361ھ	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	سیز دہ صد سالہ یادگار حسینی پر لکھی گئی نظم (اردو۔ ہندی)
.11	اسلام پوتھی	1380ھ	امامیہ مشن لکھنؤ	طویل مثنوی، آغاز اسلام سے ہجرت حبشہ تک (اردو۔ ہندی)
.12	فتح مبین	1943ء	نظامی پریس لکھنؤ	ایک مرثیہ۔ 5 سلام، 9 رباعیات
.13	بیاض تجم	1950ء	مکتبہ سلطانی، بمبئی	نوحہ جات، (حصہ اول، 53 نوحے، حصہ دوم 81 نوحے)
.14	شاعر اہل بیت جیل میں	1939ء	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	قومی نظموں اور قطعات کا مجموعہ
.15	حسینی سنسار	1364ھ	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	نوحہ جات
.16	کاروان ماتم	———	کتب خانہ اثنا عشری لاہور	(54) نوحے اور سلام
.17	پریم بھگتی	———	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	ہندی نظموں کا مجموعہ، اردو رسم الخط میں
.18	دارالسلام	———	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	جدید رنگ کے سلام
.19	تاثرات زیارت	1950ء	الکٹرک پریس، حیدرآباد	زیارت سے متعلق منظوم خراج عقیدت

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
20.	نصاب دینیات	1364ھ	مطبع حیدری، حیدرآباد	بچوں کے لئے مختصر دینی احکامات (نثر)
21.	شہیدوں کی باتیں	1952ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	کربلا والوں کے اقوال اور کارنامے (نثر)
22.	حسینؑ اور ہندوستان		مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	ہندوستان کا امام حسینؑ سے روحانی تعلق (نثر)
23.	لغات المذہب	1961ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	ایک ہزار مذہبی الفاظ پر مشتمل لغت (نثر)
24.	چور ماموں	1349ھ	زاویہ ادب، حیدرآباد	بچوں کے لئے مختصر اخلاقی افسانہ (نثر)
25.	چاند کی بیٹی	—	—	—(نثر)
26.	پھول مالا	—	—	—(نثر)
27.	معراج فکر	1959ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	مرثیہ
28.	اسرار و افکار	1971ء	ادارۂ قدر ادب، حیدرآباد	چار سو رباعیات وقطعات
29.	قصائد نجم	1372ھ	تاج پریس، حیدرآباد	سولہ (16) قصائد کا مجموعہ
30.	جانِ کربلا	1993ء	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	(نوحے + سلام)
31.	معرکۂ غم		مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	(نوحے + سلام)
32.	دکھ کا ساگر		مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	(نوحے + سلام)

تفصیلات	مطبع	سن طباعت	نام کتاب	نمبر شمار
نوحے اور سلام	عزادار بک ڈپو	——	کاروانِ عزا	33.
——(نثر)	——	——	ترقی کی برکتیں	34.
قصائد	مطبوعہ شمسی پریس، آگرہ	——	قصاید قدسی	35.
نظموں کا مجموعہ	دکن اُردو اکادمی	1364ھ	ستارے	36.
ایک مذہبی ناول (نثر)	کاظمی پرنٹنگ پریس حیدرآباد	1969ء	بندۂ خدا	37.
——(نثر)	دائرہ الکٹرک پریس، حیدرآباد	——	نفس اللہ	38.
——(نثری کتاب)	——	——	ترقی پسندوں کے نام	39.
(145) رباعیات	امامیہ کتب خانہ لاہور	——	رباعیات نجم آفندی	40.
قصائد	——	——	پنجتنی قصائد (غیر مطبوعہ)	41.
(30) رباعیات	اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد	1976ء	رباعیات	42.
پچاس منتخب غزلوں کا مجموعہ	پرنٹنگ محل، ناظم آباد کراچی	فروری 1979ء	لہو قطرہ قطرہ	43.

وطن پرستی اور انگریز نفرت: سچ تو یہ ہے کہ برصغیر نے علامہ نجم آفندی کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور آزادی کے بعد ع: منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔

وطن دوستی انگریز نفرت اور قومی محبت نجم آفندی کے ریشہ ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ذیل میں چند واقعات اور حکایات ہمارے دعویٰ کے ثبوت ہیں۔

1. ابتدائی عمر میں جب اسکول میں کسی ہندو لڑکے سے جھگڑا ہونے کے بعد ان کے ہیڈ ماسٹر راج کمار کے جملہ ''تم دونوں مل کر تیسرے کو کیوں نہیں مارتے؟'' نے فوراً

انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اپنی خودنوشت میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''میرے دل نے آواز دی کہ تیسرے سے مراد انگریز ہے جس کی غلامی کی صعوبتیں ہم برداشت کر رہے ہیں لیکن اس کو مار بھگانے کی جسارت نہیں کرتے۔''

2. نجم آفندی کی کھدر پوشی سے تنگ آ کر ان کے انگریز افسر نے ان کا تبادلہ سزا کے طور پر آسنسول کر دیا۔ چنانچہ بعد میں نجم نے تحریکِ ترکِ موالات سے متاثر ہو کر سرکاری ملازمت سے ہمیشہ کے لئے استعفیٰ دے دیا۔

3. انگریزوں کے استعمار سے بیزار ہو کر زمانہ طالب علمی میں ایک چھوٹی سی انجمن بنائی جس کا خفیہ ایجنڈا انگریزوں سے ان ہی کے ہتھیاروں سے مقابلہ اور قومی ملی یکجہتی تھا۔ اس انجمن کے ممبر ایک خاص قسم کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ انجمن رشتوں کے بھائی کی سازش سے ختم ہوگئی۔

4. سرکاری ملازمت سے علاحدگی کے بعد قومی اور مذہبی رجحان نے تقویت پائی چنانچہ ایک طویل پچیس (25) بند کی نظم ''دُرِ یتیم'' لکھی جو ''پھولوں کا ہار'' مجموعۂ کلام میں شامل ہے اور اس نظم کے ساتھ یہ نوٹ بھی لکھا ہے کہ یہ وہی نظم ہے جس نے شیعہ کانفرنس کے آٹھویں اجلاس منعقدہ الہ آباد میں حشر برپا کر دیا تھا اور جس پر راجہ سید ابوجعفر صاحب نے ساڑھے چار ہزار روپے نچھاور کر دیے تھے۔

5. نجم آفندی نے اپنی تصنیف ''ترقی کی برکتیں'' میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیتے ہوئے لکھا۔ اس وقت ہندو مسلم اتحاد کی بہترین صورت یہ ہے کہ دونوں قوموں کے نوجوان اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے طاقت ور بازوؤں کا صحیح مصرف کریں اور اپنے مضبوط ہاتھوں سے فساد روک کر ملک کی سب سے بڑی خدمت کریں۔

6. نجم آفندی جلیس ترمذی کے خط میں لکھتے ہیں: ہندو قوم کے افراد نے گاندھی جی کو ختم کر کے دنیا کو یہ بتا دیا ہے کہ ہندوستانی ذہنیت کہاں تک پست ہو سکتی ہے۔

7. نجم آفندی کانگریسی تھے اور اسی لئے کانگریسی مشاعرے بھی کروائے۔ ایک مشاعرے

میں تو ردیف ''کھدر'' رکھی گئی۔ انگریز دشمنی اور وطن دوستی نے تجمّل کو کانگریسی بنادیا۔ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں۔''ہم نے ایسے بھی مشاعرے کئے ہیں جن کا مقصد حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا تھا۔ ایسے مشاعروں کو کانگریسی مشاعروں کا نام دیا جاتا تھا۔ میرے ایک دوست برہم سروپ خارمیرٹھی میری طرح پکے کانگریسی تھے۔

8. ترقی کی برکتیں میں لکھتے ہیں: ''ہندوستان کی بدقسمتی سے ہندو مسلم اختلاف پیدا ہوا۔ تضاد بڑھنے لگا اور آج وہ نوبت آئی کہ مسلم لیگ کو پاکستان کی تجویز پیش کرنی پڑی۔

صدمات: 1. سرکاری نوکری سے استعفیٰ کے بعد مالی بحران سے دوچار رہے۔ ماہنامہ ''مشورہ'' جاری کیا لیکن مالی حالت بدتر ہوگئی۔

2. پرنس معظم جاہ کے شاہانہ مزاج کو برداشت نہ کر سکے اور نوکری ترک کردی۔ کچھ دنوں کی فارغ البالی پھر مالی بحران میں تبدیل ہوگئی۔

3. 1953ء میں والد کا انتقال ہوگیا۔

4. 1958ء میں اہلیہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔

5. برادرخرد کوکب آفندی اور دو بیٹیوں کا پاکستان میں ہمیشہ کے لئے آباد ہونا۔

علالت اور مرض الموت: تجمّل آفندی کو پرنس معظم جاہ شجیع کی دربارداری نے نیند کی گولیوں کا محتاج کردیا تھا، چنانچہ آخری عمر تک ان زہریلی دواؤں کا اثر باقی رہا۔ اعصاب میں تناؤ کم خوابی، لاغری اور ضعف کے علاوہ آخری عمر کے حصے میں معدہ، جگر، قلب کی بیماریاں اور رعشہ وثقل سماعت سے دوچار رہے۔ آخری عمر جو پاکستان میں گزری عموماً بہت کم باہر نکلتے تھے اور زیادہ تر بستر پر لیٹے رہتے تھے۔

پاکستان میں: 1. تجمّل آفندی پہلی بار اپریل 1971ء میں بمبئی سے بحری جہاز میں سوار ہوکر کراچی کی بندرگاہ پر اترے۔ کراچی میں چند مہینے قیام کرکے وہ لاہور گئے پھر کراچی آتے جاتے رہے۔ تجمّل صاحب محافل شعروسخن، مشاعروں مسالموں، مقاصدوں اور مجلسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ پاکستان میں تقریباً ہر بڑے اور معروف ادیب،

شاعر اور خطیب سے ملاقاتیں رہیں۔ ان کا کلام روزناموں، رسالوں، جریدوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں قیام کے دوران بعض اوقات اپنی یادداشتیں ایک ڈائری میں بھی مرتب کیں جو ان کی ملاقاتوں اور محفلوں کی عمدہ یادگاریں ہیں۔

وفات : تاریخ 17/ذی الحجہ 1395 ہجری مطابق 21/دسمبر 1975ء

وقت : ½ 9 بجے صبح

مقام : کراچی

دن : اتوار

غسل میت : وصیت کے مطابق مکان پر ہوا

نماز میت : بارگاہ رضویہ سوسائٹی میں پڑھائی گئی

دفن : سخی حسن دربار کے قبرستان واقع نارتھ ناظم آباد ہوا۔ شفیق اکبر آبادی نے تلقین پڑھائی۔ سوئم کی مجلس رضویہ سوسائٹی کے امام باڑے میں ہوئی۔ سید ضمیر نقوی صاحب نے مجلس پڑھی۔ جنازہ میں صرف پچیس تیس افراد نے شرکت کی۔

قطعات، اشعار اور مصرعہ تاریخ وفات

1. جناب نسیم امروہوی:

لکھ دو نسیم باکمال قبر پہ سال انتقال
بقعۂ پاک محوِ خواب شاعرِ اہلِ بیت نجم

1975ء

2. جناب رئیس امروہوی:

فراق نجم آفندی مرحوم
"غروب انجم نجم" اے قلم لکھ

1395ھ

3. جناب فیض بھرت پوری:

رحلت شاعرِ فنا فی اللہ
نجم آفندی اکبر آبادی

1975ء

4. جناب ساحر لکھنوی

سال رحلت کے لئے قبر پہ لکھ دو ساحر
نجم ہے دامنِ مدفن میں ستارے کی طرح

1395ھ

5. جناب کسرٰی منہاس:

دُرِ یک دانہ نکتہ داں شاعر

1395ھ

شاعرِ نکتہ داں گرامی تبار

1975ء

6. جناب نیساں اکبر آبادی

تذکرۂ اہلِ بیت جس کا تھا شغلِ سخن
خلد میں وہ آ گیا شاعرِ شیریں نوا

1975ء

7. جناب خلش پیر اصحابی:

الف سے الم کے خلش اب تو یوں
ہے لکھا غم نجم دائم رہا

1 + 1394 = 1395ھ

8. جناب باقر امانت خوانی:

اس طرح باقر نے کھینچا منظرِ سالِ وفات
اب فلک سے شاعری کے نجم ٹوٹا جلوہ ریز

1975ء

9. پروفیسر فیضی:

بتائید الٰہی یہ شرف فیضی انہی کا تھا
عزادارِ شہید کربلا تھے نجم آفندی

1975ء

10. جناب شائق زیدی:

رہے وہ اے شائق بہ تجمل — شاعرِ اہل بیتؑ جہاں میں
پڑھتے ہوئے آیاتِ ماتم — نجم گئے ہیں باغ جناں میں

1395ہجری

11. جناب فضل الدین فدا

تعزیت نامہ پاسدار اہلِ حق

1395ہجری

وفاتِ حسرت آیات جلیل القدر

1975ء

مرجعِ کرم خسرو اقلیم دانش

1975ء

برگزیدہ رحمٰن نازش ملت نجم آفندی اعلی اللہ مقامہ

1975ء

وحید زماں بلند آستاں نور اللہ مرقدہ

1395ہجری

یہ صدمہ کس قدر غم آفریں ہے — نظر بے چین دل اندوہ گیں ہے
فدا لکھ نجم کی تاریخ رحلت — بلا شک ساکنِ خلدِ بریں ہے

1395ہجری

تعداد کل کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ

علامہ نجم آفندی

نمبر شمار	صنفِ سخن	تعداد	تعداد اشعار
.1	غزلیں	195	1932
.2	رباعیات	591	1182
.3	قطعات	498	1001
.4	نعت	16	304
.5	قصاید	81	2519
.6	سلام	107	1375
.7	مراثی	3 (209 بند)	627
.8	نوحے	144	2237
.9	تاثیر زیارات	10	128
.10	متفرقات	83	1036
.11	ہندی کلام	18	458
			کل اشعار = **(12799)**

نجمؔ آفندی کے
نوحوں
کا مجموعہ

1.	انقلابی نوحوں کا پروردگار	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
2.	نجم کے نوحوں کا تجزیہ	پروین شاکر
3.	نجم آفندی کے نوحے	پروفیسر محمد کمال الدین ہمدانی
4.	جدید نوحہ کا موجد	افضال حسین نقوی
5.	منتخب اشعار	(133) عدد
6.	کل نوحے (مطبوعہ وغیر مطبوعہ)	(144) عدد
7.	کل اشعار	(2237) عدد

ڈاکٹر سید تقی عابدی

انقلابی نوحوں کا پروردگار

شاعری کی قدیم ترین صنف نوحہ ہے۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے بین سے نوحہ کی ابتدا ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ دنیا کی ہر زبان اور دنیا کے ہر اُس مقام پر نوحہ پہنچ گیا جہاں موت پہنچ سکتی تھی۔ عربی ادبیات میں حضرت آدمؑ سے منسوب شعر، سریانی زبان میں نوحے کی زبان میں ملتا ہے۔ سرجیمس جان فریزر اپنی کتاب گولڈن باؤ میں لکھتے ہیں: ''جب آئسیس (Isis) اپنی بہن کے ساتھ جاکر اپنے شوہر Osiris کی لاش کے قریب بیٹھ گئی اور مسلسل نوحہ و بین کرنے لگی تو لوگ اس سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ یہ نوحہ و بین کے اشعار ایک عام رسم کی صورت میں ہر مرنے والے پر پڑھے جانے لگے، یعنی تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح نوحہ مقبول ہو چکا تھا۔ قدیم یونانی میں ''مسزموس'' ساتویں صدی قبل مسیح، ہندوستان میں سنسکرت کا شاعر ''امارو'' چوتھی صدی قبل مسیح، روم میں ''کیٹولس'' پہلی صدی قبل مسیح کے شاعر نے بھی نوحے لکھے جو اس دور میں بے پناہ مقبول ہوئے اور اسی طرح دنیا کے مختلف حصوں میں معروف نوحہ نگار شعرا پیدا ہوئے اور درد دل کے نغمے سناتے رہے۔ جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے، نوحہ بھی دکن کی سرزمین سے نکلا اور جلد ہی شمالی، مشرقی اور غربی برصغیر ہند میں پھیل گیا۔ نوحہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی رونا پیٹنا، بین کرنا اور چلا کر مرنے والے پر رونے کے ہیں۔ اصطلاح میں نوحہ امام حسین علیہ السلام یا شہدائے کربلا کے مصائب نظم کو کہتے ہیں۔ مہذب اللغات کے مولف جناب مہذب لکھنوی نے اس میں دو شرطیں بڑھا دی ہیں کہ ایک ہی شہید کے حال میں ہو اور کسی ایک کی زبان میں ہو۔ بہرحال نوحوں کی بیاضوں سے آخر الذکر شرائط کی تائید نہیں کی جاسکتی ہے۔

اردو نعتیہ مضامین میں حضرت فاطمہ زہراؑ سے منسوب ایک نعت کی نشاندہی کی جاتی ہے

جب کہ "فصول المہمہ" میں ابن صباغ نے اسے نوحہ لکھا ہے اور اس کے موضوع اور مطالب نوحہ کے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس نوحہ کا ایک معروف شعر ہے:

صبت علی مصائب لو انہا

صبت علی الایام عدن لیالیا

نوحہ پر تحقیقی اور تنقیدی کام مفقود ہے۔ اسے ایک رونے رلانے کی چیز کہہ کر بہت کم توجہ کی گئی۔ خود مشاہیر مرثیہ نگاروں نے جہاں رباعی اور سلام کو نیا رخ دیا، بہت کم نوحے تصنیف کیے اور اسی لیے عموماً مبکی نوحوں کا رواج برصغیر میں عام تھا اور وہ بھی زنانی مجالس یا جلوسوں کی حد تک۔ شاعر اہل بیتؑ نجم آفندی نے نوحہ کو نئی زندگی اور انقلابی روش دی۔ نجم کے نوحوں نے اردو رثائی ادب میں تہلکہ مچا دیا۔ مجالسِ عزا اور جلوسوں میں مرثیوں سے زیادہ نوحے، ذوق اور عقیدت سے سنے اور پڑھے جانے لگے۔ نجم نے عزاداری حسینیؑ میں جو انقلابی قوت ایک بہتے ہوئے آبشار کے مانند تھی، روشنی پیدا کی، دلوں اور ذہنوں کو روشن کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی نوحہ نگار نے نجم سے پہلے یا نجم کے بعد ایسے نوحے نہیں لکھے۔ نجم انقلابی نوحوں کے خالق ہیں اور فارسی اور عربی میں بھی اس نوعیت کا پیغام نوحوں میں موجود نہیں ہیں۔ نجم کے (144) نوحے ہمارے درمیان موجود ہیں۔ کل نوحوں کے اشعار کی تعداد(2237) ہے یعنی نجم نے سب سے زیادہ اشعار نوحوں میں لکھے ہیں۔

ذیل میں نجم کے نوحوں کی تفصیلات اور محاسن، جو دبستان نجم کو انفرادیت دیتے ہیں، بیان کیے گئے ہیں۔

ف 1: کل تعداد نوحے = 144

ف 2 : کل تعداد اشعار نوحے = 2237

ف 3: سب سے زیادہ اشعار ایک نوحہ میں = 44

ف 4: سب سے کم اشعار ایک نوحہ میں=7

ف 5: اوسط اشعار ایک نوحہ میں = 25

ف 6: ہر نوحہ کا عنوان رکھا گیا ہے۔

ف7: نوحے سلام کی ہیئت، مستزاد، مخمس، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند اور مثنوی کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔

ف8: نوحوں میں غنایت غضب کی ہے۔

ف9: نوحوں کی بحروں میں ماتم کی لے ہے۔

ف10: نوحوں کے بندوں میں ٹیپ کے اشعار کورس کی شکل میں تکرار سے پڑھے جا سکتے ہیں۔

ف11: تجمؔ نے کسی نوحہ میں ضعیف روایت نظم نہیں کی۔

ف12: تجمؔ وہ واحد شاعر ہیں جنھوں نے کسی نوحے میں مصرعے کسی کے قول سے نظم نہیں کیے۔ یعنی حسینؑ نے کہا، زینبؑ بولی، عباسؑ نے پوچھا وغیرہ۔ تجمؔ حقیقت کو نظم کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس طرح کا نوحہ رثائی ادب میں پہلی بار نمودار ہوا۔

ف13: تجمؔ نوحوں میں شدتِ بین اور شدید مصائب سے کام نہیں لیتے بلکہ بہت عجیب لہجہ میں دل کے تاروں کو درد انگیز الفاظ سے اس طرح چھیڑ دیتے ہیں کہ آنسو بہنے لگتے ہیں اور اس کا اثر طولانی ہوتا۔

ف14: تجمؔ کے نوحے عموماً نوجوانوں اور جوانوں کے لیے کہے گئے ہیں، کیونکہ تجمؔ نوجوانوں کے دلوں میں پیغام حسینیؑ کی شمع روشن کرنا اپنا اصلی مشن سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غم کے دور کے نوجوان جو اب بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کے دلوں میں تجمؔ کے نوحے آج بھی وہ ولولہ اور جذبہ پیدا کرتے ہیں کہ وہ بھی تجمؔ کے نوحہ کو سُن کر جوانوں کی صفوں میں سینہ زنی کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یقیناً تجمؔ کا خود یہی حال تھا، اسی لئے تو فرمایا تھا:

ہاتھ رُکتے ہی نہیں ہیں ماتمِ شبیرؑ سے
استفادہ کر رہا ہوں موت کی تاخیر سے

ف15: تجمؔ نے نئی نسل جس کا رابطہ اردو سے کم ہو رہا تھا اور برصغیر کی دوسری قومیں، جو ہندی سے قریب تھیں، ان کی آسانی اور پیغام حسینیؑ کی تشہیر کے لیے اٹھارہ (18) سے زیادہ نوحے صاف، شستہ ہندی اور پوربی میں لکھے جو آج بھی مجالس عزا کی زینت ہیں۔ تجمؔ کا نوحہ ''دکھ کا ساگر'' سُن کر کون اپنے جذبات اور احساساتِ غم کو روک سکتا ہے۔

ع: ڈوبی ہوئی دکھ کے ساگر میں سورج کی سنہری تھالی تھی

ف 16: نجم نے نوحوں میں اخلاقی قدریں بھر دیں تاکہ اسلامی معاشرہ اخلاق اور کردار کا نمونہ ہو جائے۔

ف 17: نجم کے نوحوں میں مظلوم کی ہمت، شجاعت، شہامت اور صداقت کا ذکر ملتا ہے۔ وہ ہر شہید کے دلیرانہ رویہ کو پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مجاہد سر دینے سے پہلے سر کاٹنا جانتا ہے اور ظالم کے ظلم کو اپنی تیغ سے عریاں کر کے خود آخر میں تہہ تیغ ہو جاتا ہے۔

ف 18: نجم کے نوحوں میں غضب کی شعریت ہے لیکن یہ شعریت سننے والے کو سوز و گداز کے ماحول سے باہر نہیں لے جاتی بلکہ نشتر کو تیز تر کر کے احساس کے قلب میں اتار دیتی ہے:

الجھے ہوئے بالوں پہ فدا شامِ شبِ غم   ڈوبی ہوئی نبضوں پہ ستاروں کی نچھاور
ڈھلکی ہوئی گردن پہ یداللہ کے بوسے   سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تصدق لبِ کوثر
ننھے سے مجاہد علی اصغرؑ علی اصغرؑ

ف 19: نجم کے نوحوں کا ہر ہر لفظ آزادی اور انقلاب کی طرف انسانی ذہنوں کو موڑتا ہے۔ ظلم و ستم سے نفرت اور اس کے خلاف استقامت بخشتا ہے۔ نجانے کتنے مایوس دل ان نوحوں کو سُن کر توانا اور زندہ ہو گئے۔

ف 20: نجم نے اپنے نوحوں کے ذریعہ قوم کی اصلاح اور سوئی ہوئی قوتوں کو جگایا۔

ف 21: نجم کے نوحے سیرت نگاری کا مرقع ہیں۔

ف 22: نجم نے نوحوں کے ذریعے اتحادِ اسلامی کو تقویت بخشی:

جاں دی تھی اتحاد کی خاطر حسینؑ نے   پورا شہیدِ ظلم کا ارمان کیجیے
سرکارِ دوجہاں کی محبت کے نام پر   للہ اپنے دل کو مسلمان کیجیے
مرکز بنا کر آج حسینیؑ نشان کو   دنیا میں اتحاد کا اعلان کیجیے

حقیقت تو یہ ہے کہ نجم کے نوحوں پر ایک پورا تحقیقی مقالہ لکھا جا سکتا ہے کیونکہ نجم نہ صرف اردو کے وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اس صنف رثائی ادب کا اس انداز سے مصرف کیا کہ آج کل نوے فی صد نوحہ نگار نجم کے نوحوں کا اتباع کر رہے ہیں اگرچہ معنی اور زبان کے لحاظ سے زمین

اور آسمان کا فرق رکھتے ہیں لیکن پھر بھی دبستان نوحہ نجم ہی کا نوآزمودہ ہے۔ ہمارا مقصد اس تحریر میں صرف اشارے اور نکات پیش کرنا ہے، اس لیے طوالت سے بچتے ہوئے صرف اشعار اور کچھ تمہیدی جملوں پر اکتفا کریں گے تاکہ درِ سخن ان محققین کے لیے کھل جائے جو اس مکتب سے دُرِ فکر جمع کرنا سعادت سمجھیں۔ نجم کے کلام میں ہر قسم کا ادبی سرمایہ موجود ہے۔ صدہا نئی ترکیبیں ہر صفحہ پر نظر آئیں گے۔ چند نئی ترکیبوں پر غور کیجیے۔ مبادیاتِ روح، رشتۂ شہود و غیب، فرشِ خواب، عوالم عقول فتنۂ برقی، شبابِ لافانی، مساواتِ حقیقت، نگارستانِ فطرت، وہمِ عرفان، طغیانِ ناز، مزاج نور، متاعِ ہوش، سفیرِ فکر، طینتِ فاضل، کشتیِ مے، مے لاسیف، ہوشِ غم، آزردہ کشاکش وغیرہ وغیرہ اردو ادب کو مالا مال کیے ہوئے ہیں۔ نجم اپنے نوحوں کے اثر سے خود بخوبی واقف تھے۔ اس لیے اپنے کلام میں متعدد مقامات پر اس دین پر بہت کچھ کہا ہے۔ اشعار دیکھئے اور مطالب کی گیرائی اور گہرائی میں کھو جائیے۔

ابھی نجم کچھ اور نوحے سناؤ ذرا قوم کی بے حسی جا رہی ہے

نجم کہیں ہمارے بعد اہلِ عزا نہ یہ کہیں نجم کی طرح پھر کوئی نوحہ سرا نہیں ہوا

اسی دُھن میں نالے کیے جاؤ نجمی یہ نوحے ہیں دل کو ہلا دینے والے

سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دو ہے ہیں کچھ نوحے ہیں نجمی یہی مایا لائے تھے نجمی یہی مایا چھوڑ گئے

سنا کر نجم قصہ کربلا والے شہیدوں کا مسلمانوں کو سمجھا دو مسلماں ایسے ہوتے ہیں

نجم کے دل سے نہ آئیں لب پہ نالے یہ اگر کیا عجب ہے منہ کو آجائے کلیجہ اے حسین

میں نجم نہیں واقف آسایشِ دنیا سے کچھ نوحہ و ماتم ہی نکلیں گے مرے گھر سے

نجم نوحوں کو صداقت کا مرقع کردیا　　کربلا کے غم نے، غم کی واقعی تصویر نے

زیارت کا شرف حاصل ہو جب اے نوحہ خواں تجھ کو　　فضائے کربلا میں نجم کا نوحہ سنا دینا

دنیا کو خوں رلائے گی یہ داستاں بہت　　نوحے کہیں گے نجم سے شیریں زباں بہت

یہ نجمِ نوحہ گر کا نوحہ قبول کرلے　　اے مجلسِ عزا میں تشریف لانے والے

آتا ہے اس کو یاد جب وہ کاروانِ تشنہ لب　　ہے نجم کا نوحہ یہی اے وائے نہر علقمہ

یہ دل میں دردِ محبت یہ نجم جوشِ سخن　　یہ تیرا خامۂ ماتم نگار کیا کہنا

قدرت ہے اگر نجم تو نوحے کی زباں میں　　ہر قوم کو شبیرؑ کا پیغام سنا دے

شاید یہی دربار میں مقبول ہو نجمی　　نوحہ تو نہیں قابلِ سرکار ہمارا

نجم کے نوحوں میں ابلاغی قوت دیکھئے، کیا اس طرزِ سخن سے کوئی مقابلہ کرسکتا ہے۔

شہیدِ ظلم کلیجے ہلا دیے تونے　　حسینؑ درد کے دریا بہا دیے تو نے
جراحتوں میں نمک بھر دیا تشکر کا　　اذیتوں میں تبسم گھلا دیے تو نے
زمین کرب و بلا پر خلیلِ کرب و بلا　　ہزار کعبۂ معنی بنادیے تو نے

آج اس سے عبادت باقی ہے آج اس سے نمازیں قائم ہیں
کل ایک مصلا بچھا تھا جو تیروں کی بوچھاروں میں

کربلا کو بنا گیا کعبہ　　کس کو منہ پھیرنے کا یارا ہے

فاطمہؑ کی گود کا پالا جگا کر قوم کو سو رہا ہے کربلا کی منزل بیدار میں

تا ابد زندہ ہے اور تا ابد اسلام ہے اے شہیدِ کربلا اسلام تیرا نام ہے

ایسے بے پروا کہ جیسے سر ہی شانوں پر نہیں جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شبِ عاشور کو

تیرہ سو برس میں ہوئے کیا کیا نہ تغیرّ کہہ دے کوئی شبیرؑ کے ماتم میں کمی ہے

سبطِ نبیؐ سے دین خدا کا کلام ہے کلمہ حسینؑ کا ہے محمدؐ کا نام ہے
دنیا میں یا حسینؑ کا نعرہ جو عام ہے یہ دشمنِ حسینؑ سے اک انتقام ہے
اپنی طرف سے چھیڑ نہ اپنی طرف سے جنگ یہ مسلکِ حسین علیہ السلام ہے

شبیرؑ سیاست کا وہ قائدِ اعظم ہے قانون بنا ڈالا عاشور کو دن بھر میں

دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا شبیرؑ بہرحال ترا نام رہے گا

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیرؑ وہی ہے تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

اخلاق کا معیار سمجھنا ہے اگر آ مجلسِ غم میں اور سُن ذکر حسینؑ

تجمل کے نوحوں میں عظمتِ حسینؑ اور ایثار وقربانی حسینؑ، انسان سازی کا جوہر بنا کر پیش کی گئی ہے تا کہ انسان دنیا میں عزتِ نفس کے ساتھ رہ سکے۔ یہ تجمل کے نوحوں کی آفاقی حدیں ہیں۔

پانی کی بندشوں پہ حقارت کی اک نظر عزت کی موت سے وہ نگاہیں لڑی ہوئی

سویا علیؑ کا لال دو عالم کو جیت کر مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا

تا قیامت ماتمِ شبیرؑ مٹ سکتا نہیں ظلم سب کچھ ہو چکے یہ سعی بے جا بھی سہی

مظلوم کے ایثار کی قوّت کو نہ پوچھو ماتم میں یہ قوت ہے کہ دنیا کو ہلا دے

تجمؔ حسینیؑ پیام کو صرف مسلمانوں کے لئے نہیں، بلکہ تمام عالم انسانیت کی فتح اور بہبودی کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ کہتے تھے دوسری قوموں کو حسینؑ سے اُنس و پیار ہے۔

اب جا کے ہمالہ پربت سے لے ماتم کی ٹکراتی ہے
اس دیس کی تجمؔی دور بلا جس دیس میں یہ غم چھا جائے ہے

تجھ پہ اے مظلوم بھارت کے سپوتوں کا سلام ہند کے نادار مزدوروں اچھوتوں کا سلام

شہیدِ ظلم زمانہ شہید ہے تیرا ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

اے ہند کے مزدور سپوتو ادھر آؤ مظلوم ہو مظلوم سے دل اپنا لگاؤ

ہندو ہوں کہ مسلم ہوں وہ غم خوار ہے سب کا ہوتا ہے اُسے درد غریبوں کے تعب کا

آدمی گر، انسان ساز کریکٹر جو حسینیتؑ میں موجود ہے، وہی اس پیغام کا اصلی راز ہے۔ اسی لئے غم حسینؑ عالمگیر ہے۔

یہ مجلسِ غم، ظلم مٹانے کے لیے ہے دنیا کو رہِ راست دکھانے کے لئے ہے
انسان کو انسان بنانے کے لئے ہے محدود نہیں سارے زمانے کے لئے ہے

اس کے در پر سجدے کر اے غرورِ انسانی جس نے آدمیت کی آبرو بچائی ہے

خلق کی اصلاح کو وہ تیری قربانیاں　　آج وہ روحِ عمل مقصد اقوام ہے

نجم ماتم داروں سے ان کے منصب اور فرائض کا جائزہ مطالبہ بھی کرتے ہیں:

کیا جوشِ تولا کا ہے معیار نہ بھولو　　یہ مشورۂ شاعرِ سرکار نہ بھولو

چہرۂ روشن دکھا کر فطرت اسلام کا　　کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

ہم اس مضمون کو چند یادگار اشعار پر ختم کر کے قارئین کو نوحوں کے گلستان کی سیر کی دعوت دیتے ہیں۔

کوثر کے یہ مالک ہیں پانی کی طلب کیسی　　سوئی ہوئی ملّت کی غیرت کو جگانا ہے
احمدؐ کا نواسا ہے معراج بھی پائے گا　　نیزے کی بلندی سے قرآن سنانا ہے

یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا　　یہ تیرے دوش پہ کوہِ وقار کیا کہنا

شمع لے کر روئے اکبرؑ دیکھنے بیٹھی تھی ماں　　صبحِ محشر تک ٹھہرنا تھا شبِ عاشور کو

کچھ ایسے وقت میں زنجیر پہنی عابدؑ نے　　کہ اس گھرانے سے صدیوں یہ سلسلہ نہ گیا

زندگی کی گود میں وہ اضطرابِ کائنات　　بن گئی بے شیر کا جھولا شب عاشور کو

O

پروین شاکر

تجمّ آفندی کے نوحوں کا تجزیہ

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک تاریخ اور مذہب نے تہذیب اور ادب پر گہرے اثرات مرتسم کیے ہیں اور پھر شاعر جو شیلے کے قول کے مطابق ''ایک جلتی ہوئی روح ہے۔'' ان لمحوں کی اہمیت اور نوعیت کو سب سے زیادہ شدت سے محسوس کرتا ہے اور اپنے ذاتی دکھ سکھ سے ماورا ہو کر ان میں Involve ہو جاتا ہے۔

سانحۂ کربلا چودہ سو برس سے صاحبانِ وجدان کے لیے سرچشمۂ عرفان رہا ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں حق گو اور حق پرست ہیں، ارضِ نینوا کی یاد تابندہ ہے، جو سینہ بہ سینہ سفر کرتی آئی ہے اور اس سفر میں کتنے وجود ایسے ہیں کہ ہمارے لیے چراغ راہ بنے۔ اگر ہم اپنی نگاہ محض سرزمین پاک و ہند پر ہی ڈالیں تو منکشف ہوگا کہ غمِ حسینؑ نے کن کن اشک بار آنکھوں کو گہر ریز کیا ہے یہ قافلۂ ماتم داراں تو نہ معلوم کب سے رواں ہے لیکن چند میر ہائے کارواں کے نام جن کی آوازیں آج بھی کھوئے ہوؤں کی رہنمائی کرتی ہیں، ان میں مرزا علی نقی ایجادؔ، تاثمؔ چاند پوری، میر تقی میرؔ، ضمیرؔ لکھنوی، دلگیرؔ لکھنوی، میر خلیقؔ، مرزا اسلامت علی دبیرؔ، میر انیسؔ، میر نفیسؔ، میر عشقؔ، میر تعشقؔ، عزیزؔ لکھنوی، آرزوؔ لکھنوی، نسیمؔ امروہوی، پیارے صاحب رشیدؔ، جوشؔ ملیح آبادی، سید آلِ رضا اور جناب تجمؔ آفندی شامل ہیں۔

ماتم گسارانِ حسینؑ کے اس کارواں میں ہر نوحہ کناں کا اپنا ایک منفرد لہجہ ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ حضرت تجمؔ آفندی کے لہجے کو (فی الوقت ہمیں ان کے ہی فن تک گفتگو محدود رکھنی ہے) ہم دھیما اور پُر سوز لہجہ کہہ سکتے ہیں، جس کے اندر ایک نرم آہنگ، انقلابی فکر Under

Current کی طرح رواں ہے۔

سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ ایک ایسا موضوع اور فن جسے انیسؔ و دبیرؔ جیسے کاملانِ فن نے منتہائے عروج پر پہنچا دیا تھا اور اپنے اپنے انداز میں ایک مضمون کو سو رنگ سے باندھ چکے تھے تو ایک Spent اور Exhausted موضوع میں حضرت نجم آفندی نے اپنے لیے کیا امکانات پیدا کئے اور اپنے لہجے کی شناخت کس طرح کروائی۔

اس ضمن میں ان کے اسلوب کی انفرادیت سب سے زیادہ ان کی نظم "نہرِ علقمہ" میں واضح ہوکر سامنے آتی ہے۔ "نہرِ علقمہ" اپنے لہجے کی گھمبیرتا، زبان کی سادگی اور موضوع کی سنجیدگی کے لحاظ سے اردو کی چند ممتاز ترین نظموں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ تخاطب میں جس طرح نہر کی تجسیم کی گئی ہے، اس سے نہرِ علقمہ محض ایک ندی نہیں رہتی بلکہ ایک کردار بن کر سامنے آتی ہے۔

پیاسا رہا جانِ نبیؐ اے وائے نہرِ علقمہ
اُٹھتی رہیں موجیں تری اے وائے نہرِ علقمہ
وہ خشک لب، سوکھا گلا شیرِ خدا کی آل کا
وہ تیرے ہونٹوں پر تری اے وائے نہرِ علقمہ
طوفاں اُٹھانا تھا تجھے یا سوکھ جانا تھا تجھے
کچھ تو نے خدمت ہی نہ کی اے وائے نہرِ علقمہ
قبضے میں تیرے آب ہو اور پیاس سے بے تاب ہو
شہؑ کے چمن کی ہر کلی اے وائے نہرِ علقمہ
اِک چادرِ آبِ رواں اوڑھے ہوئے تو نوحہ خواں
زینبؑ کی یہ بے چادری اے وائے نہرِ علقمہ
اشکِ سکینہؑ بہہ گئے منہ دیکھتے سب رہ گئے
تو اور تری دریا دلی اے وائے نہرِ علقمہ
یہ کون سا دستور تھا مہمان کتنی دور تھا
کیا پاؤں میں زنجیر تھی اے وائے نہرِ علقمہ

اس نظم کی Rythem ،خطابیہ انداز اور ردیف ''اے وائے سِر علقمہ'' سب مل جل کر ایک ایسی حزنیہ کیفیت کو جنم دیتے ہیں جس میں قاری کا پورا وجود Involve ہو جاتا ہے اور یوں قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلنا شاعر کی بہت بڑی کامیابی قرار دی جا سکتی ہے۔فنی اعتبار سے بھی صنعتِ رعایت لفظی وصنعت مراۃ النظیر کا ماہرانہ استعمال نظم کے صوتی حُسن میں اضافہ کرتا ہے۔

اسی طرح ان کی نظم ''عالمِ تنہائی'' ہے کہ جب روزِ عاشور سب جاں نثار راہِ وفا میں ایک ایک کر کے کام آ چکے ہیں اور امامِ مظلومؑ مقتل میں یک و تنہا کھڑے ہیں۔ اس پوری نظم میں بحر کے انتخاب الفاظ کے چناؤ اور لہجے کے ٹھہراؤ نے گویا تنہائی کی تصویر کھینچ دی ہے

مقتل میں غش ہیں شبیرؑ تنہا
قاتل کھڑے ہیں خاموش یک جا
حیرت میں گردوں سکتے میں صحرا
ساکت ہیں موجیں ساکن ہے دریا
سورج کا چہرہ اُترا ہوا ہے

گردوں کی حیرت صحرا کے سکتے اور موجوں کے سکوت کے ساتھ ساتھ سورج کے چہرے کو اُترا ہوا دیکھنا..... ایک انتہائی حساس ذہین شاعر کے بس کی ہی بات ہے، جو اپنے دکھ کا عکس، کائنات کی ہر شے میں ڈھونڈ لے اور پھر اس عکس کی گرفت کر سکے۔ اسی طرح اس نظم کا تیسرا بند ہے

خیمے میں سب کی نظریں ہیں در پر
دم رک گئے ہیں سینوں کے اندر
کیا ضبطِ غم ہے اللہ اکبر
چپ رہ گئی ہے اصغرؑ کی مادر
اصغرؑ کا جھولا ٹھہرا ہوا ہے

یہاں مخمس کے آخری مصرعے میں شاعر کے مشاہدے کی Breath Taking گہرائی اپنے عروج پر ہے اور پھر صحیح الفاظ کا استعمال اس پر مستزاد۔ اس موقع پر کوئی بھی عام شاعر وزن قافیے اور موضوع کی مناسبت سے مصرعہ کو کوئی بھی شکل دے سکتا تھا۔ مثلاً ''اصغرؑ کا جھولا سونا پڑا ہے۔'' لیکن جھولا ٹھہرا ہوا

ہے، میں جو Pathos ہے، جو اُن کی داستانِ خونچکاں ہے، وہ ایک استادِ فن کا ہی حصہ ہے۔

اسی طرح اس نظم کا آخری بند ہے

روکو قلم کو نجمِ سخن ور
ہے سربہ سجدہ جانِ پیمبرؐ
نزدیک ہے اب قاتل کا خنجر
در پر ہے زینبؑ مجبور و مضطر
خیمے کا پردہ اُٹھا ہوا ہے

یہاں اس ''خیمے کا پردہ اُٹھا ہوا ہے'' نے اس حسرت ناک فضا کی تکمیل کردی ہے، جسے قاری پہلے بند سے ہی اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

یہی کیفیت اُن کی نظم ''شامِ عاشور'' کی ہے

عاشور کی وہ شام وہ رَن بولتا ہوا غم کا وہ کائنات پہ پردہ پڑا ہوا

اور پھر فنکارانہ صناعی

تشنہ لبوں کے خون کی ندی چڑھی ہوئی پانی لبِ فرات سے منھ پھیرتا ہوا

تشنگی معصوماں کے حوالے سے جو تلازمے استعمال کیے گئے ہیں، وہ حیرت انگیز ہیں۔ اظہارِ بیاں پر قدرت کے بعد جو دوسرا عنصر حضرت نجم آفندی کے قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے، وہ ان کی کردار نگاری ہے جو اپنی حیثیت میں کسی ناول نگار کے سے انہماک اور ہنر کے ساتھ عمل میں لائی گئی ہے۔ مثلاً حضرت علی اکبرؑ کا سراپا اور کردار، علی الترتیب کچھ اس طرح سامنے آتا ہے

ہوئے پیدا تو صورت دیکھنے ہر شیخ وشاب آیا
جوانی اُن پہ کیا آئی مدینے پر شباب آیا
مگر جب کربلا کے دشت میں یہ ماہتاب آیا
فلک، قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام، سن زہراؑ کا، اور صورت پیمبرؐ کی

اگر اس بند کا صرف آخری مصرع ہی پڑھا جائے تو اس شہزادے کا پیکرِ رعنا ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے اور پھر کردار

سنا ہے چاند سے سینے پہ برچھی جنگ میں کھائی
یہ منظر لے گیا شبیرؑ کی آنکھوں کی بینائی
تعجب کیا اگر خیمے سے شہزادی نکل آئی

فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام، سن زہرا کا اور صورت پیمبرؐ کی

اسی طرح ننھے مجاہد، علی اصغرؑ کے بارے میں رقم طراز ہیں

چتون میں چھپائے ہوئے اکبرؑ کی جوانی
مٹھی میں دبائے ہوئے سجادؑ کے جوہر
آنکھوں میں چھلکتا ہوا معصوم تبسم
گردن سے ٹپکتا ہوا خونِ دلِ مادر

نانا کے سب انداز ہیں دادا کے طریقے
نیند آگئی ریتی پہ نہ تکیہ ہے نہ بستر

پھر پسرانِ مسلمؑ کے بارے میں لکھتے ہیں

یہ نزع کا ہنگام یہ معصوم نگاہی
دیتا ہے ہر انداز لڑکپن کی گواہی
کم سن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلمؑ کے پسر ہیں

اسی انداز میں جنابِ زینبؑ کے صاحبزادگان کے متعلق لکھا ہے

کشتوں میں یہ رعنائی یہ شان نہیں دیکھی
مرتے ہوئے بچوں میں یہ جان نہیں دیکھی

دنیا سے کہو دیکھے یہ شیر ہمارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

اور پھر سب سے بڑھ کر جناب زینبؑ کا کردار اپنی تمام تر Dimensions کے ساتھ ہمارے سامنے آتا ہے

ایسا کسی بی بی کا ایثار نہیں دیکھا
بھائی سے زمانے میں یہ پیار نہیں دیکھا
بھائی کی محبت میں صدقے یہ اتارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
وہ عونؑ و محمدؑ بن عبداللہ جعفرؑ
بچے تھے مگر ماں نے کیا فدیۂ اکبر
بنتِ اسدُ اللہ کے اللہ رے تیور
زلفوں کو سرِ دوش بکھرتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

کردارِ جناب زینبؑ کا ایک اور روشن پہلو ان کی بے مثال خطابت، تجمّل آفندی کے ذریعے ہم تک اس طرح پہنچی

یک بیک اٹھا فضا میں زینبؑ کبریٰ کا ہاتھ
ہاتھ کا اٹھنا کہ سنّاٹا سا تھا چھایا ہوا
کربلا میں نذر دو بیٹے دیئے جس ہاتھ نے
اُس میں تھراہٹ کہاں مجمع ہے تھرایا ہوا
ظلم و بدعت کی رسن جس ہاتھ کو جکڑے ہوئے
دستِ قدرت کی طرح نفسوں پہ جو چھایا ہوا
منتظر کانوں پہ اِک الفاظ کی بجلی گری
ہوش رخصت ہوگیا ذہنوں سے گھبرایا ہوا

اس دہن میں تھی زباں گویا لسان اللہ کی
حرف اک اک نقش تھا ارشاد فرمایا ہوا
آلِ احمدؐ کی اسیری اپنی آزادی کا راز
یوں سمجھ میں آگیا جیسے ہو سمجھایا ہوا
چیر کر نفس اُن کا ان کو اس طرح دکھلا دیا
اپنی ہستی سے تھا اک اک فرد شرمایا ہوا
گردنیں خم ہوگئیں آنکھوں میں آنسو آگئے
ہر کلیجہ چاک ہر سینہ تھا برمایا ہوا

اسی طرح حضرت عباسؑ علم دار کی شجاعت کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں

کربلا میں شانِ عباسؑ دلاور دیکھنا
خون میں ڈوبی ہوئی تصویرِ حیدرؑ دیکھنا
راہ کرلی خون کے دریا کا سینہ چیر کر
ایک ہی حملے میں نہرِ علقمہ پر دیکھنا
مشک بھر کر نہر سے باہر نکلنا تشنہ لب
خیمۂ شبیرؑ کی جانب وہ مڑ کر دیکھنا

کنارِ فرات رونما ہونے والے اِس خوں چکاں سانحہ کی جب گنگ وجمن کی سرزمین پر رہنے والے شاعر نے تصویر پیش کی، تو اس میں کچھ مقامی رنگوں کا شامل ہونا ناگزیر تھا۔ سو کہیں کہیں لہجے میں، بیان میں اور رسومات کا ذکر کرتے ہوئے یہ رنگ جھلک جاتے ہیں۔ 'حسینی سیوا' 'دکھ کا ساگر' 'پریم پنچھی' اور 'کھیون ہار' ایسی نظمیں، جو ٹھیٹ ہندی اسلوب میں لکھی گئی ہیں، شاعر کے کمالِ فن کے ایک اور پہلو کو اجاگر کرتی ہیں۔ زبان کی نرمی، موضوع کے گداز کو دو چند کردیتی ہے

اکبرؑ کو سکارے مرنا تھا دھن موت کی سگری رات رہی
ماں سیس لگائے چھاتی سے بالوں کی لٹیں سلجھات رہی

(حسینی سیوا)

پریم نگر کا پنچھی تاسُم موت سے بیاہ رچائے گا
ہنسی خوشی کا جانا ٹھہرا دولہا بن کر آئے گا
رتھ نار لہو کی دھاریں تھیں اس گورے گورے مکھڑے پر
اسی دھج پہ کسی کی لاگی نجر بہی سہرا بدھی کھائے گا
(پریم پنچھی)

ہندی بولوں سے ہٹ کر خالص شاعرانہ بیان میں بھی مقامی لہجے کی کھنک صاف سُنائی دیتی ہے

یہ کیسا دن تیری شادی کا کیسی رات ٹھہری تھی
عروسِ مرگ سے کب مرنے والے بات ٹھہری تھی

یا پھر

عروسِ مرگ ہے اکبرؑ کی منتظر رن میں
یہ خیمہ گاہ میں دولہا بنائے جاتے ہیں

حضرت نجم آفندی کے اُن نوحوں کا ایک خوشگوار پہلو ان کا تبلیغی رنگ ہے

اڑاؤ آشتی کے پھول زندگی کی راہ میں
امانِ بے اماں بنو ستم کی جلوہ گاہ میں
صدائے یا حسینؑ دو فضائے کوہ و کاہ میں
تمام بحر و بر کو لو حسینؑ کی پناہ میں
حُسینؑ کے فدائیو بڑھے چلو بڑھے چلو
(علم بدوش)

یا پھر

ایمان کو ایمان کی صورت میں دکھاؤ
اسلام کو اسلام کا مصداق بناؤ
سرکارِ دو جہاں کی محبت کے نام پر
آپس کے اختلافات کو قربان کیجئے

قربانی جو خاندانِ نبوت کی رسمِ امتیاز تھی

سب راہِ خدا کے سالک تھے یا قتل ہوئے یا قید ہوئے

یہ رسم گئی ہے دور تلک شبیرؑ کے ماتم داروں میں

اور جب تلک شبیرؑ کے ماتم دار کائنات میں موجود ہیں یہ رسمِ جاں فروشی بھی سلامت ہے اور اس کی یاد بھی جسے فروزاں رکھنے میں جہاں کئی اور نام روشن رہیں گے۔ وہاں حضرت نجم آفندی کا نام نامی بھی غمِ حسینؑ کے حوالے سے امر رہے گا۔

○

پروفیسر محمد کمال الدین ہمدانی

نجم آفندی کے نوحے...!

دیگر اصنافِ سخن کی طرح نوحے میں بھی زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اور اردو زبان کی ترقی کے ساتھ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ابتدا میں نوحہ صرف بیتیہ اشعار تک محدود رہا اور نوحے کی زبان بھی بالکل ابتدائی اور سادہ تھی، ہندی الفاظ کی آمیزش بھی زیادہ تھی جیسا کہ ہاشم علی برہانوی کے نوحوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے جو علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے ایک ادبی مقالے میں پیش کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو نقوشِ سلیمانی۔ اس دور کے بعد زبان، طرزِ معاشرت اور طرزِ فکر کے بدلتے ہوئے انداز کے ساتھ نوحہ گوئی کا انداز بھی تبدیل ہوتا رہا اور دیگر اصنافِ سخن، خصوصاً مرثیہ کی طرح نوحہ میں بھی وسعتِ فکر اثر انداز ہوئی اور نوحہ میں زبان کی فصاحت وبلاغت اور الفاظ کی شان وشوکت کے اہتمام کے ساتھ نئے نئے مضامین نوحوں میں شامل کئے گئے۔ بالخصوص عارفانہ، فلسفیانہ اور تبلیغی مضامین نوحوں میں پیش کئے گئے اور دو مصرعہ نوحوں کے علاوہ مثلث، مربع، مخمس اور مسدس نوحے بھی لکھے گئے۔

نجم آفندی نے نوحہ گوئی کے جدید رجحانات اور جدید تقاضوں کو اپنایا اور چونکہ فطری طور پر یہ فن خزانۂ قدرت سے ان کو عطا ہوا تھا، اس لیے فنِ نوحہ گوئی میں ایک مخصوص اور نمایاں مقام حاصل کیا۔ ان کے نوحے جدید تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔

ان کے نوحوں میں الفاظ کی شان وشوکت کے ساتھ عارفانہ اور تبلیغی عنصر نمایاں ہیں۔ جن بحروں میں انہوں نے نوحے لکھے ہیں، وہ عارفانہ اور تبلیغی مضامین کے اعتبار سے نہایت مناسب اور موثر ہیں۔ ان کے نوحے جدید نوحہ گوئی کا ایک بلند معیار متعین کرتے ہیں۔ نجم آفندی نے

نوحوں کے ذریعے دو اہم کام کئے ہیں، ایک غمِ حسینؑ میں رونا اور رولانا جو محبتِ اہلبیتؑ کے اظہار کے لیے ضروری ہے اور دوسرا امام حسین علیہ السلام کے کارناموں کی تبلیغ و اشاعت، ان دونوں مقاصد میں تجمّ آفندی کامیاب ہیں۔

عزاداری کی تکمیل کے لیے مرثیوں کے ساتھ نوحے بھی نہایت ضروری ہیں، اس لیے کہ مجلس کا دارومدار مرثیہ پر ہوتا ہے اور ماتم کا دارومدار نوحے پر۔ جس طرح مجالس میں منتخب مرثیے پڑھے جاتے ہیں، اسی طرح ماتم میں منتخب نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں جہاں مجالس و ماتم کا رواج عام ہے، منتخب مرثیے و نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ تجمّ آفندی کے نوحے چونکہ مجالس و ماتم کے مقاصد کو بدرجہ اتم و اکمل پورا کرتے ہیں، اسی لیے ان کا شمار منتخب نوحوں میں کیا جاتا ہے اور ہر جگہ مقبول ہیں۔

تجمّ آفندی کے نوحوں میں جو ادبی اور فنی خصوصیات پائے جاتے ہیں، ان کے نوحوں کے نمونوں کے ذریعے واضح کرنے کے لیے ان کے تمام کلام کو پیشِ نظر رکھنا اور ان کا عمیق مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن اس وقت میرے سامنے ان کی ایک بیاض ''کاروانِ ماتم'' ہے جس کے چند نمونے ان کی نوحہ گوئی کے خصوصیات کی وضاحت کے لیے پیش کرتا ہوں۔

شبِ عاشورہ سے متعلق ایک شعر جو تجمّ آفندی کے اعلیٰ تخیل اور تبلیغی اندازِ فکر کا آئینہ دار ہے، ملاحظہ ہو۔

جگا رکھا ہے تیرہ سو برس سے جس نے دنیا کو
اک ایسی رات بھی اس مرنے والے نے گزاری ہے

اس شعر میں شبِ عاشورہ کے متعلق ایک نہایت اعلیٰ اور حقیقت پر مبنی تخیل و تفکر رہتا ہے۔ شبِ عاشورہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی عبادت حق تعالیٰ اور حق پر اپنی واقربا و انصار کی جانیں قربان کرنے اور اسلام کو کفر سے بچانے کا عزمِ مستحکم اور یزید کی بیعت سے قطعی انکار، یہ وہ کارنامے ہیں جن سے اسلام اور کفر کا فرق دنیا میں واضح ہوگیا اور کفر کی تاریکی دور ہوئی اور دنیا جاگ اٹھی۔ اس ایک شعر میں خیامِ حسینیؑ میں شبِ عاشورہ، اطاعت حق میں جاگنے والی مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کی عبادت اور راہِ حق پر جان دینے کا جوش و خروش اور کفر کے مقابلے میں جنگ کی

تیاریاں، یہ تمام کارنامے اس شعر میں پنہاں ہیں اور اس شعر سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ شبِ عاشورہ خیامِ حسینیؑ کے واقعات، ایسے چمکے کہ ساری دنیا میں روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئے اور رات کی تاریکی اور کفر کی سیاہی ان پر مطلق اثر انداز نہ ہوسکی۔

اسلام میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اور آپ کے اہلبیتؑ کا مرتبہ اور پھر ظالموں کا آپ کے ساتھ ظالمانہ سلوک اور کفر کی شدت پر نجم آفندی نے حسب ذیل اشعار اپنے نوحوں میں پیش کئے ہیں۔

مسلماں سر لیے جاتے ہیں سوئے شام نیزے پر
سوارِ دوشِ پیغمبرؐ کی یہ آخر سواری ہے
ایک دن جو دوشِ پیغمبر پر تھا اس کو سلام
اس کو مجرئی ایک دن نیزہ پر جس کا سر گیا
ہائے عاشورہ محرم ہائے شامِ قیدِ غم
آج بے پردہ ہیں وارث چادرِ تطہیر کے
ادا ہورہا ہے خراجِ مودّت
یہ زنداں میں آلِ نبیؐ جارہی ہے
جس کے گلے پہ ثبت ہوں بوسے رسولؐ کے
اس کے گلے پہ خنجرِ قاتل کی دھار ہو
سایہ کیا طیور نے بیکس کی لاش پر
آئے نہ دفن کرنے کو انسانِ کربلا
مقصدِ کائنات ہے پیاسا مصدرِ شش جہات ہے پیاسا رازدارِ حیات ہے پیاسا
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں سیدِ مشرقین پیاسے ہیں۔

مذکورہ اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ فوجِ یزید کے افراد، جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے، پیغمبر اسلام کے پیارے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت وانصار پر ہر طرح کے ظلم وستم کرتے، حتیٰ کہ ان کو قتل کرنے پر مستعد ہوتے۔ نہ خدا کا خوف کیا، نہ رسولؐ کی شرم،

اسلام اور بانیانِ اسلام کے خلاف فوج یزیدی کا ظلم اور استبداد اور کفر ان اشعار سے قطعی واضح ہو جاتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ ظالموں کا ہر قول حکم خدا اور رسولؐ کے قطعی خلاف تھا اور ظالم اسلام سے منحرف ہو کر کفر کی طرف اور انسانیت سے منحرف ہو کر حیوانیت کی طرف پلٹ گئے تھے اور اسلام کے چاہنے والوں پر ہر طرح کے ظلم و استبداد کرنے پر آمادہ تھے۔

تبلیغِ اسلام اور اسلام کو کفر سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت و انصار نے جو قربانیاں میدانِ کربلا میں دیں، ان کی تبلیغ و اشاعت کے لیے نجم آفندی نے جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

ہو آلِ مصطفیٰؐ کا لہو جس کے دوش پر
وہ انقلابِ دہر نہ کیوں یادگار ہو
طوفانِ آبِ تیغ بھی شرما کے رہ گیا
بچے ذرا ذرا سے لہو میں نہا گئے
یہ کہتے تھے لبیک آوازِ حق پر
یہ لاشے ہیں حق کا پتہ دینے والے
تعجب ہی کیا ہے خدائی جو لے لیں
خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
لہو چشمِ حق بیں کو رُلوا رہے ہیں
یہ ہر زخم پر مسکرا دینے والے
آج اس پہ گامزن ہیں ہزاروں دل و دماغ
رستہ بتا گیا ہے جو بیمار آپ کا
خونِ شبیرؑ کا اسلام کی بنیاد میں ہے
ایسی محکم نہ نظر آئے گی تعمیر کوئی
سِن وہ چھ ماہ کا، وہ پیاس، وہ آغوشِ پدر
علی اصغرؑ سا نہ ہوگا ہدفِ تیر کوئی

مذکورہ اشعار میں تجمّم آفندی کا بلند تخیل کارفرما ہے جو حقیقت سے لبریز ہے۔حقائقِ کربلا اس خوبی سے پیش کیے ہیں جیسے کوزہ میں دریا۔ایک ایک شعر میں واقعات کربلا کا پورا نقش سمو دیا ہے۔ یہ کام ایک ماہر فن ہی انجام دے سکتا ہے۔ اسلامی جوش وخروش، اسلامی عزم، اسلام پر قربانی کا جذبہ جس کا مظاہرہ میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اقربا وانصار نے راہِ حق پر کیا، اس کو تجمّم آفندی نے اپنے اشعار میں بڑے جوش کے ساتھ پیش کیا ہے اور تبلیغی نقطۂ نظر سے تجمّم آفندی کا یہ کارنامہ اردو ادب کی تبلیغی شاعری میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

آخر میں معرفتِ الٰہی اور معرفتِ حسینؑ سے متعلق تجمّم آفندی کے اشعار پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اس لیے معرفتِ الٰہی منشاء الخلائق انسانی ہے۔جیسی معرفت امام حسین علیہ السلام کو حاصل تھی، ویسی رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہوئی۔

شکر خدا زبان پہ یادِ خدا میں دل
تیغوں کی چھاؤں پیکرِ خونبار آپ کا
زخمی جبیں لہو سے مصلی رنگا ہوا
یہ روحِ معرفت یہ عبادت ہے اے حسینؑ
منزل تھی محبت کی انوار کی تابانی
تلوار تھی گردن پہ سجدہ میں تھی پیشانی
راہِ خدا میں جان گنوائی
یادِ خدا میں وقت گذارا

امام حسین علیہ السلام بانئ اسلام ہیں، اس حقیقت پر تجمّم آفندی کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

اسلام تیرا حاصلِ محنت ہے اے حسینؑ
دنیا میں دین تری بدولت ہے اے حسینؑ
حسینؑ صَرفِ خزاں کرکے اپنے گلشن کو
خدا کا دین سپردِ بہار کرتے ہیں

اگر انسان کو عرفانِ غمِ شبیرؑ ہوجائے
شعورِ حریت دنیا میں عالمگیر ہوجائے

مذکورہ عرفانی اشعار سے واضح ہوجاتا ہے کہ نجم آفندی عرفان پر بھی اچھے اور بلند شعر کہنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

راہِ خدا میں صبر و رضا کی منزلیں طے کرنا نہایت دشوار اور مرحلۂ صعب ہے۔ سید الشہدا نے صبر و رضا کی منزلوں کو جس طرح طے فرمایا، تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کا یہ کارنامہ آپ کے عرفان کی انتہا کا مظہر ہے۔ آپ کے صبر و رضا کے متعلق نجم آفندی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نجم آفندی کا ایک نوحہ جس کا عنوان ''حسینی مسلک'' ہے، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

نفسِ رسولؐ اس کی رضا تک پہنچ گیا
سمجھے تھے ہم کہ راہِ خدا نا تمام ہے

ایک اور نوحہ جس کا عنوان ہے ''راہِ رضا'' اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

حق بھی ہے اسی سمت میں رُخ ان کا جدھر ہے
یہ راہِ رضا زیرِ قدم لائے ہوئے ہیں

ایک اور نوحہ کا ایک شعر منزلِ راہ میں ملاحظہ ہو:

سالکِ راہِ رضا ہیں ورنہ سجادِ حزیں
ایک انگڑائی میں حلقے توڑ دیں زنجیر کے

یہ ایک اور شعر کیا خوب کہا ہے:

راہِ عمل میں اُٹھائے جو مرتضیٰ نے قدم
اصول بن گئے اللہ کی رضا کے لیے

صبر کے متعلق دو اشعار ملاحظہ ہوں:

کیا صبر کی تنظیم ہے اس تشنہ لبی میں
کیا اہلِ حرم بچوں کو بہلائے ہوئے ہیں

دربارِ یزیدی کا وہ صبر شکن منظر
اسلام کے وارث کی منبر پر وُر افشانی

تجمّ آفندی نے صبر و رضا کی وہ سخت وصعب منزلیں اپنے نوحوں میں دکھائی ہیں، جہاں امام حسینؑ علیہ السلام یکتا نظر آتے ہیں اور اسی طرح تجمّ آفندی نے اپنے نوحوں کو عرفانی نقطۂ نظر سے بھی مکمل کر دیا ہے۔

ذیل کے اشعار میں عزاداری کا جواز تجمّ آفندی نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے:

کیوں اس کی یادگار منائیں نہ اہلِ دل
جذبات حریت کا جو پروردگار ہو
باطل کا زور توڑ دو ذکرِ حسینؑ سے
باطل میں اور حق میں جہاں کارزار ہو

عزادارِ امام حسین علیہ السلام کے مرتبہ کو تجمّ آفندی اسی طرح ظاہر کرتے ہیں:

اے چشمِ حقیقت میں ہر اہلِ عزا مجھ کو
شبیرؑ کے لشکر میں شامل نظر آتا ہے

غرضیکہ تجمّ آفندی نے جس مضمون اور واقعہ کو لکھا ہے، پورے زور اور جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔ ان کے نوحوں میں کسی قسم کا شاعرانہ اور علمی جھول محسوس نہیں ہوتا۔

ہر نقطۂ نگاہ سے ان کے نوحے مکمل ہیں جس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ پایۂ کے عالم بھی ہیں۔ ان کو زبان وادب، فلسفہ اور عرفان اور نفسیات پر بڑا عبور حاصل ہے۔ ان کا تبلیغی انداز بلا تفریق مذہب وملت، ہر فرد کے لیے قابل تسلیم ہے اور یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے۔

افضال حسین نقوی

جدید نوحہ کا موجد

اپنے اور بیگانوں کے اتلافِ جان پر شاک پروف ہو کر پتھر بن جانا، فلسفۂ حیات کے کسی واحدِ داعی (Stoic) کا ایک انوکھا طریقۂ فکر رہا ہو تو رہا ہو، لیکن انسانی خواص اور نفسیات کے ساتھ دکھ اور درد کو سرے سے پی جانا، انسانی سرشت سے کلیتہً بعید بات ہے، بلکہ اگر سینے پر پتھر رکھ کر یہ طریقہ حیات اپنا بھی لیا جائے تو تاثرات سے عاری سنگلاخ اور چٹان دل انسان، حیات کی اس بوقلمونی پر پتھر کی سلوں کی بارش کر دیں گے۔

ابھی انسان نے اس گیتی پر شعور کی آنکھیں بھی نہ کھولی تھیں، ابھی تو اس کے منہ میں زبان بھی نہ آئی تھی کہ صدمات اور تفکرات، اتلافِ جان و مال کے دلخراش دھچکوں سے اس کی چھاتی دہل جاتی۔ چند سُرے بے سُرے بین و بکا کلمات اور کچھ آنسو اس تاثر کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھتے رہے۔

انسان تاریخ کی ابتداء سے پہلے بھی کسی عزیز کی موت، کسی دوست کے بچھڑنے اور کسی جانی اتلاف سے دوچار ہونے کی صورت میں نوحے اور بین کہتے تھے۔ یہی نوحے اور بین آگے چل کر مہذب اور ترقی یافتہ زبانوں میں مرثیہ کی شکل اختیار کر گئے۔

سرجیمس جان فریزر (Sir James John Fraser) اپنی کتاب ''گولڈن باؤ'' میں رقم طراز ہے: (میں درج ذیل اقتباس اپنے ہی مقالے ''مرثیہ اور انیس'' مطبوعہ نقوش لاہور دسمبر ۷۰ء سے پیش کر رہا ہوں):۔

''مقامی روایات کے بموجب، جس کی پلوٹرچ بھی تائید کرتا ہے، جب ایسس (Isis) کو اپنے شوہر اوسارُس (Osiris) کی لاش ملی تو وہ اپنی بہن نیفاطیس کے ساتھ لاش کے برابر بیٹھ

گئی۔ نوحہ وشیون کرنے لگی، یہ بین، بعد کے زمانے کے لیے متوفی کے لیے ایک عام نوحہ کی صورت اختیار کرگیا۔''

درج بالا نوحہ تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح کہا گیا تھا۔

انسانی حیات کی تدریج کے ساتھ ساتھ مختلف ترقی یافتہ زبانوں میں اس صنف کو جلا ملتی رہی۔ دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو، جو اس صنف کے سرمایہ سے تہی دامن ہو۔

عربی اور فارسی نوحے اپنی نظیر آپ ہیں۔ خصوصاً عربی نوحے جو مرثیہ کے ذیل میں آتے ہیں، اپنی بے ساختگی، درد والم کی کیفیت اور متوفی کی شخصیت کی عکاسی کی بہترین مثال کہے جاسکتے ہیں۔ فارسی نوحوں میں درد کی چاشنی کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ کی بھی آمیزش ہوگئی ہے۔

شروع عہد سے لے کر، تا ہنوز نوحہ کی مسلسل تدریج ہوتی رہی ہے اور اس کا زمانہ لگ بھگ ساڑھے تین سو چار سو سال کا ہوتا ہے۔ کسی صنف سخن کی تدریج، ارتقاء اور ترقی کے لیے یہ زمانہ بہت طولانی ہے اور اس پر کما حقہ روشنی ڈالنے کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

دکن کے شیعہ ریاستوں کے والیوں کی اردو دوستی اور حبِ محمدؐ وآل محمدؐ اظہر من الشمس ہے۔ ان والیوں کے مرثیے اور نوحے آج کی بھاکا سے بالکل مختلف ہیں اور تقریباً ناپید ہیں۔ اور جو کچھ موجود بھی ہیں، ان میں مرثیوں اور نوحوں کا فرق کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ البتہ جو بھی نمونے مل سکتے ہیں، وہ وؔلی دکنی کے عہد سے تاجدارانِ اودھ کے عہد تک تدریجاً دستیاب ہوسکتے ہیں، یقیناً اگر کوئی محقق اس بات کی تحقیق کا بیڑا اٹھالے گا تو اس کے لیے اس زمانے کا مواد کافی دستیاب ہوسکتا ہے۔ واجد علی شاہ اختؔر کے بعد تا ہنوز اس صنف کی تدریج میں کوئی تخلف نہیں۔

ہر مرثیہ گو، اپنے مرثیے کے ساتھ ساتھ نوحے بھی کہتا تھا۔ یہ بڑی جانکاہی اور دقّت نظر کا کام ہے کہ نوحہ کی اس تدریج کی ایک مسلسل تاریخ مرتب کی جاسکے۔

نفس مضمون سے چند باتوں کے گریز کی معافی چاہوں گا۔

گذارش یہ ہے کہ میری عین تمنا تھی کہ علامہ نجم آفندی پر کچھ لکھا جائے، لیکن بُرا ہو میرے حالیہ آنکھ کے آپریشن کا کہ میں کسی لکھنے پڑھنے کے کام سے معذور تھا۔ البتہ عزیزی ضمیر اختر کے اصرار پر میں نے حامی بھرلی کہ علاّمہ مرحوم کے جدید نوحوں پر کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا۔

لیکن حق یہ ہے کہ موجودہ مجبوری کے پیش نظر کوئی تحقیقی کام تو سرانجام نہیں دے سکتا، اور وہ بھی اس التزام کے ساتھ کہ مضمون دو ہفتوں میں تیار ہو جائے۔ بہر صورت وقتی طور پر نوحہ کی تدریج کے متعلق سیر حاصل کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ البتہ کسی اگلے وقت کے لیے کچھ حدود تعین کرنے کی کوشش ضرور ہو جائے گی۔

علامہ نجم آفندی ایک بڑی ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت تھے۔ علامہ موصوف کا انتقال پُر ملال ایک پورے دبستان کے خاموش ہو جانے کے مترادف ہے۔ اتنی طولانی حیات میں موصوف نے کن کن اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور انہیں پروان چڑھایا، ان سب پر لکھنا کار دارد بات ہے۔

اس مقالے کی حد تک موصوف کے جدید نوحے ہی میرا موضوع کلام ہیں۔

اردو نوحے جن کی ابتداء بطور ہدیۂ خلوص، بین وبکا اور اظہار عقیدت کے طور پر ہوئی تھی، جس کی تدریج میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ کی آمیزش ہوتی چلی تھی، علامہ نجم کے ہاتھوں ادب کی دھیمی آنچ پر تبلیغ کار حسینیؑ کا رنگ بھی خوب ہی چوکھا کر دکھایا گیا۔ علامہ کی زبان و بیان پر ندرت مثالی ہے۔ ظاہر ہے کہ آگرہ کے ہوتے ہوئے بھی موصوف لکھنوی تھے، کیونکہ اتباع اور تلامذہ کا اثر بے پناہ ہوتا ہے۔

صرف یہ کہہ دینا کہ نجم نے صنف نوحہ سے حسینیت کی تبلیغ کا کام لیا، دراصل ایک پورے دفتر کو ایک بے ہنگم فقرے میں بند کر دینے کے برابر ہے۔ نوحہ جو اصولی طور پر بین وبکا ہے، جس میں درد وغم کا رچاؤ اس کی روح ہے۔ کیا کوئی صاحب فن ایسا بھی حشر آسا اور قیامت بردوش ہو سکتا ہے جو نوحہ جیسی نازک، کومل اور چھوٹی موٹی زمین پر اتنی بلند وبالا تبلیغ کی عمارت کھڑی کر سکے اور اس فرض سے عہدہ برآ ہو سکے تو میں عرض کروں گا، وہ صرف اور صرف نجم آفندی ہے جس نے نوحہ کو نہ صرف اس جدت سے آشنا کیا۔ بلکہ اس ندرت کو منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔

علامہ نجم آفندی کے نوحوں کا عجیب مزاج ہے۔ یہ مزاج نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا گیا اور نہ ہی علامہ کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھوں اس کا ویسا ہی حق ادا ہو سکا۔ وہ ادب میں تبلیغ اور موعظمت کس خوبی سے شیر وشکر کرتے ہیں کہ قاری اور سامع نوحے کے تاثر کے سیل میں بہا چلا

جاتا ہے۔ ذرا ملاحظہ تو فرمائے علامہ "تقمیر حسینیؑ" کے عنوان سے کتنا تیکھا نوحہ پیش کرتے ہیں۔

پہنچا جو قتل گاہ میں زہراؑ کا لاڈلا تکلیفِ غم سے کانپ گئی ارضِ نینوا
آداب الوداع بجا لائی زندگی کی عرض بڑھ کے پیکِ اجل نے کہ مرحبا
جلتی ہوئی زمین کے ہونٹوں پہ آہ تھی مہرِ فلک کو اپنی تمازت سے تھا گلا
اترے حرم نبیؐ کے قناتیں ہوئیں بلند آواز دور باش اٹھی تھم گئی ہوا
وہ گودیوں میں پھول سے بچے لیے ہوئے اک اک صغیر فدیۂ سلطانِ کربلا
اس اہتمام پر بھی نگاہیں جھکی ہوئی تہذیب کی نقاب سے ہر منہ چھپا ہوا
پردہ درِ خیام کا تطہیر کی نظر گھیرے ہوئے جلالتِ انصارِ با وفا
دولت سرا کے در پہ ہر اک خاص و عام کو عباسِ نامدار کی ہیبت کا سامنا
جنگل کی رُت بدل گئی مقصد کی شان سے دلِ راہِ حق میں ایک تھے خیمے جدا جدا
مرنے کو ایک سمت جوانانِ ہاشمی لٹنے کو اک طرف حرم سیدالورا
آیا درود اوجِ فلک سے حسینؑ پر بہرِ سلام آئے زمیندارِ کربلا
شانِ جلال دیکھ کے تعظیم کو جھکے روحِ جمال دیکھ کے صلِ علیٰ کہا
سلطانِ دوسرا نے خریدی یہاں زمین ہر قصر کا بہشت میں چہرہ اُتر گیا
یہ اپنی قتل گاہ بنانے کو آئے ہیں سمجھے بنی اسد کہ بنے گی محل سرا
جانِ علیؑ کو بات بنانی ہے دین کی مقتل خریدنا ہے کہ مدفن خریدنا
سوئے گا سر کٹائے یہاں سیدہؑ کا لال تا حشر جانِ آدمِ عالم بنا ہوا
اٹھارہ سال والے کی ہوگی یہیں لحد زینبؑ سے کہہ نہ دے کوئی جا کر یہ ماجرا
اک شیر کی بنے گی ترائی میں خوابگاہ دریا کو جس نے چھین کے پانی نہیں پیا
قاسمؑ عروسِ مرگ سے شادی رچائیں گے چھوٹی سی قبر ہوئے گی حجلہ عروس کا
اپنا لہو ملائیں گے اس خاک پاک میں مسلمؑ کے لال زینبؑ مضطر کے دلربا
جھولے سے اٹھ کے آئیں گے اصغرؑ اسی جگہ گز بھر زمیں ملے گی اور اک تیر بے خطا
لیلیٰ کی حسرتوں کا بنے گا یہیں مزار یاں دفن ہوگا خاک میں ارماں بیاہ کا

مرکز بنے گا قوتِ اسلام کا یہ دشت
بہرِ طواف آئے گی یاں روحِ مصطفیٰؐ

نوحہ کا یہ انداز پہلے کبھی نہ تھا جس میں ادب، تاریخ، حسن بیان، درد کی چاشنی، تبلیغ، بین وبکا سبھی رچ بس گئے ہوں اور ان سب کا مل جل کر خمیر ایسا اٹھے کہ باید وشاید۔ یہی نجم کے نوحے کا امتیاز ہے اور یہی ان کا افتخار۔ یہ چھوٹا سا نوحہ تعمیر حسینیؑ جیسے ارفع مضمون کی جس خوبی سے تخلیق کرتا ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ نوحے کے اگر اجزاء پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا انداز کچھ ایسا ہے گویا پہلے کوئی مورخ کوئی واقعہ بیان کر رہا ہو۔ واقعہ کے ابلاغ میں ادب کا رنگ بھرا جاتا ہے اور درد کی میٹھی آنچ پر تپایا جاتا ہے۔ تبلیغ وموعظمت کی روح اس سارے بلڈاَپ (Buildup) میں جاری وساری ہے۔ نوحہ کی اس تدریج میں بین وبکا جو کسی بھی نوحہ کا لازمی عنصر ہے، اپنے بدیہی اور فطری روپ میں موجود ہے۔ اردو زبان صرف نوحہ کی حد تک اس تکنیک سے عاری تھی۔ علامہ نجم آفندی کے ہاتھوں یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔

علامہ نجم آفندی نے کم وبیش سارے نوحے کسی نہ کسی عنوان کے تحت لکھے ہیں، مثلاً شبِ عاشور، صبحِ عاشورہ، قومی نشان، اسوۂ حسینؑ، نمازِ خوف، مسلمؑ کے لال، زینبؑ کے دُلارے، شبابِ کربلا، حسینیؑ جوان، بہشتی علمدار، علمِ علمدار، شبیہِ پیمبرؐ، ننھا مجاہد وغیرہ وغیرہ۔

شبِ عاشور کے عنوان سے نجم نے نہایت بلیغ اور پُر اثر نوحہ کہا ہے۔ نوحے کا مطلع ہے

چاند کمھلایا ہُوا نکلا شبِ عاشور کو
کس قدر غم کا اندھیرا تھا شبِ عاشور کو

اس نوحے میں ایسے پُر اثر اشعار ہیں جن کا تاثر بے کراں ہے۔ فرماتے ہیں

زندگی کی گود میں وہ اضطرابِ کائنات
بن گئی بے شیر کا جھولا شبِ عاشور کو

اس شعر کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ ادب اور مرثیت اور بین وبکا کا اس قدر حسین اور اعلیٰ امتزاج دیدنی ہے۔ زندگی کے اضطراب کو بے شیر کے جھولے سے تشبیہ دینا حُسن وبیان کا حق ادا کرنا ہے۔

اسی نوحے میں فرماتے ہیں:-

ایسے بے پروا کہ گویا سر ہی شانوں پر نہیں
جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شبِ عاشور کو

کیا حسین اور اعلیٰ شعر ہے،اور کس سادگی سے کہا گیا ہے کہ جنگ پر فیصلہ ہی ٹھہرا تو پھر اس فیصلہ پر اس قدر استقامت کہ پامردوں اور بہادروں کے گویا شانوں پر سر ہی نہ ہوں۔ اسی نوحے کا ایک شعر ہے:

جانے کیوں کر رہ گئے بے پردا اسرارِ ازل
ننگے سر تھیں فاطمۂ زہرا شبِ عاشور کو

اس شعر پر کچھ مزید لکھنا عبث ہے۔

مقطع کا شعر ہے

نجم گردوں سر بہ سجدہ ہے ستارے سرنگوں
کس سے پوچھیں تم نے کیا دیکھا شبِ عاشور کو

حسن وبیان، تاثر، درد کے میٹھے رچاؤ کا اس سے بہتر اور کیا نمونہ ہوسکتا ہے۔اسی ذیل کا ایک نوحہ صبحِ عاشورہ کے عنوان کا ہے، جو اپنی نظیر آپ ہے۔مطلع ہے

سجدے سے سر کسی کا اُٹھا روشنی ہوئی
عشرہ کی صبح آئی قیامت بنی ہوئی

مطلع کا حسن،محتاج تعارف نہیں۔دوسرے شعر کا حسن ملاحظہ فرمائیے:

وہ سامنے حسینؑ کے میدانِ کربلا
دل میں وہ کربلائے محبت بسی ہوئی

شعر کے تیور کیا عجیب ہیں۔حسینؑ کے سامنے میدانِ کربلا ہے اور دل میں حسینؑ کے کربلائے محبت بسی ہوئی ہے۔اس زبان کی تعریف کچھ اہل زبان ہی کر سکتے ہیں۔

اس نوحے کا ایک شعر ہے

سجدہ کہ جس پہ سجدۂ کون و مکاں نثار
حیرت سے کربلا کی زمیں دیکھتی ہوئی

شعر کا حسن دیدنی ہے۔

تجم آفندی نے ایک نوحۂ ننھا مجاہد کے نام سے لکھا ہے اور حق یہ ہے کہ ندرتِ خیال اور حسنِ بیان کا حق ادا کر دیا ہے۔ چند ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

بے چین ہیں غربت پہ تری چاند کی کرنیں　　سو جائیں گی لاشہ ترا آغوش میں لے کر

ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

اُلجھے ہوئے بالوں پہ فدا شامِ شبِ غم　　ڈوبی ہوئی نبضوں پہ ستاروں کی نچھاور

ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

ڈھلکی ہوئی گردن پر یداللہ کے بوسے　　سوکھے ہوئے ہونٹوں پر تصدق لبِ کوثر

ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

چتون میں چھپائے ہوئے اکبرؑ کی جوانی　　مٹھی میں دبائے ہوئے سجادؑ کے جوہر

ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

نوحے کا یہ رنگ تجم کا عطیہ ہے۔ نہ اس سے پہلے دیکھنے میں آیا اور نہ اس کے بعد کسی میں یہ توفیق ہو سکی۔ ذرا ملاحظہ کیجئے ننھے مجاہد کے کتنے البیلے اور حسین تیور اور ان دیکھے روپ دکھائے گئے ہیں۔ آخری بند کی تو جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے۔

چتون میں اکبرؑ کی جوانی چھپائے ہوئے اور مٹھی میں سجادؑ کے جوہر دبائے ہوئے ننھے سے بچے کی اس سے بہتر اور اعلیٰ تعریف کیا ہو سکتی ہے۔

اور پھر حسن یہ ہے کہ درد کا رچاؤ اپنے بند توڑ رہا ہے۔ تجم کا ہر نوحہ اسی شان اور اسی آن کا ہے۔

اس مقالے کا اختتام علامہ تجم کے بے پناہ پُرسوز نوحے ''پروردگارِ غم'' پر کرنا چاہتا ہوں میرے نزدیک اردو نوحے کی تاریخ میں ایسے بلیغ نوحے شاید ہی چند ایک لکھے گئے ہوں۔ نوحہ ملاحظہ فرمائیے۔ نوحے کے کچھ حسین گوشوں کی طرف نشاندہی کی بھی کوشش کروں گا۔

شہیدِ ظلم غریب الدیار کیا کہنا　　حسین درد کے پروردگار کیا کہنا

وہ خشک لب وہ گریباں رنگے ہوئے خوں میں　　نبیؐ کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا

وہ سر، وہ طرّۂ خیرالبشر وہ پیکرِ نور ‏ گلے کی زیب وہ زخموں کے ہار کیا کہنا
بڑھا تھا کفر کہ اسلام کا نشاں نہ رہے ‏ تڑپ کے روک لیا دل پہ وار کیا کہنا
وہ تیرے صبر کی آغوش و لاشۂ اصغرؑ ‏ یہ دل یہ دل پہ ترا اختیار کیا کہنا
بھلا دیا وہ تبسم بھی دردِ ملت نے ‏ رہا نہ یاد سکینہؑ کا پیار کیا کہنا
یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا ‏ یہ تیرے دوش یہ کوہِ وقار کیا کہنا
جناں کا قصد لہو کرکے شیر زہراؑ کو ‏ پسند آگئی خنجر کی دھار کیا کہنا
وہ نانا جان کی امت سے کی وفا تو نے ‏ تیری وفا پہ دو عالم نثار کیا کہنا
شہیدِ ظلم زمانہ شہید ہے تیرا ‏ ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

یہ دل میں دردِ محبت یہ تجمؔ جوشِ سخن
یہ تیرا خامۂ ماتم نگار کیا کہنا

نوحہ کا کمال یہ ہے کہ زبانِ نوحہ خواں درد بن جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجمؔ اس نوحہ میں مجسم درد بن گئے ہیں۔نوحے کا مطلع ہی اس غضب کا ہے۔

حسینؑ کو درد کے پروردگار کہنا صرف تجمؔ کا حق ہے۔لفظوں کی یہ ترکیب ایسی انوکھی ہے اور پھر اس ترکیب کا قبول دوام تجمؔ ہی کا عطیہ ہے۔بارگاہِ حسینیؑ میں اس سے بڑا ہدیۂ تبریک اور کیا ہوسکتا ہے۔

دوسرے شعر کا حسن کچھ اہل زبان ہی محسوس کرسکتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ حق پر مرمٹنے والوں کا عجیب وغریب انداز ہے، ان کے لب خشک ہیں۔ ان کے گریبان انھیں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔اللہ اللہ حسینؑ کے چمن کے غنچہ وگل پر یہ کیسا نکھار ہے جس کی تعریف کے لیے زبان ساتھ نہیں دیتی۔

تیسرے شعر کا حسن وسوز محتاجِ تعارف نہیں

چوتھے شعر کی زبان اپنے حسن وابلاغ کے لحاظ سے منفرد ہے شاعر کا مخاطبہ سید الشہداؑ کی طرف ہے۔فرماتے ہیں کہ وہ تیرا سر جو طرّہ خیر البشر تھا، جس کا پیکر نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، ایسے مطہر اور مقدس پیکر کے گلے کی زیب یعنی خنجر کی دھار اور زخموں کے ہار یعنی تیر وتبر کے

گھاؤ کا بیان اس سے تیکھا اور درد انگیز کیا ہو سکتا ہے۔

پانچواں شعر کس قدر سادہ اور پُر اثر ہے، کہتے ہیں کہ کفر اس زور وشور سے بڑھا تھا کہ اسلام کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔لیکن واہ رے حسینؑ، اسلام تو تیرے نانا کا دین تھا، تو نے اپنے نانا کے دین پر اس کاری وار کو تڑپ کر اپنے سینے پر روک لیا۔ ہر شعر کا اثر دیدنی ہے۔ درد اور سوز کا رچاؤ نا قابل اظہار ہے۔نوحہ میں ایسے بلیغ شعر تصنیف کرنا نجم جیسے فنکار ہی کا کام ہے۔

چھٹے شعر میں درد کا رچاؤ کچھ اور چوکھا ہے۔فرماتے ہیں کہ تیرے صبر کی آغوش میں تیرے ششما ہے علیؑ اصغر کا لاشہ ہے، کیا کہنا تیرے دل کا اور دل پر اس اختیار کا۔

ساتواں شعر ایسا ہی درد انگیز ہے۔

آٹھواں شعر زبان و بیان، درد وسوز، سبھی اعتبار سے نوحہ کا بے پناہ شعر ہے۔فرماتے ہیں کہ تیری یہ ضعیفی اور تیرے کاندھے پر کڑیل جوان بیٹے کی لاش، اے مردِ آہن تیرے دوش پر جوان بیٹے کی لاش نہیں، دراصل تیرے کاندھے پر ایک کوہ وقار ہے جو تو اٹھائے لیے جا رہا ہے۔

نواں اور دسواں شعر اپنے اندر بے پناہ حسن رکھتا ہے اور کسی تفصیل کا محتاج نہیں۔

گیارہواں شعر بہت بے پایاں ہے۔فرماتے ہیں اے شہیدِ ظلم، اک زمانہ تیرا شہید ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر قوم میں تیرے سوگوار موجود ہیں۔شعر کا حُسنِ ابلاغ اور زورِ تاثیر ان سب پر مستزاد ہے۔

مقطع میں نجم اپنے متعلق بجا طور پر فرماتے ہیں کہ تیرے خامۂ ماتم نگار کا کیا کہنا، دراصل یہ تیرے دردِ محبت اور جوشِ سخن کا نتیجہ ہے اور اس میں کلام بھی نہیں کہ بغیر گداز دل اور چشم نم کے کوئی تخلیق کمالِ فن کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی۔نجم نے یقیناً صنفِ نوحے کو کمالِ فن کی منزل تک پہنچا دیا۔میرا ایمان ہے کہ جب تک حسینؑ کا غم باقی ہے، نجم کے یہ نوحے کبھی نہیں مٹ سکتے۔نجم اور نجم کے نوحوں کو بقائے دوام حاصل ہے۔

O

منتخب اشعار

(133)

تجھ پہ اے مظلوم بھارت کے سپوتو کا سلام ہند کے نادار مزدوروں اچھوتوں کا سلام

کیا جوش تولاؔ کا ہے معیار نہ بھولو یہ مشورۂ شاعرِ سرکار نہ بھولو

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

تیری ہی کہانی کہنی ہے تیرا ہی سبق دہرانا ہے اسلام کو زندہ تو نے کیا اسلام ہے زندہ تیرے لیے

تبدیل نظامِ قدرت ہو تو نے ہی گوارا خود نہ کیا سنتے ہیں بدلنے والا تھا کونین کا نقشہ تیرے لیے

کوثر کے یہ مالک ہیں پانی کی طلب کیسی سوئی ہوئی ملت کی غیرت کو جگانا ہے
یہ کس نے جھکایا ہے سرطاعتِ خالق میں کیا سر ہے کہ سجدے سے قاتل کو اٹھانا ہے
احمدؐ کا نواسا ہے معراج بھی پائے گا نیزے کی بلندی سے قرآن سنانا ہے

اسلام کو دیتا ہے ہر سال حیاتِ نو کیا تو نے کہا غافل یہ ذکر پرانا ہے

زباں پہ شکر نگاہوں میں درد دل میں تڑپ نبیؐ کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا

شہیدِ ظلم زمانہ شہید ہے تیرا ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا یہ تیرے دوش پہ کوہِ وقار کیا کہنا

خلق کی اصلاح کو وہ تیری قربانیاں آج وہ روحِ عمل مقصدِ اقوام ہے

عالَمِ امکاں میں ہے آج وہ ملّت بلند دل سے لگائے ہوئے جو ترا پیغام ہے

تیری نظر کے نثار ایک نظر دیکھ لے رُو بہ زوال آج پھر ملّتِ ناکام ہے

اُس کے در پہ سجدے کر اے غرورِ انسانی جس نے آدمیت کی آبرو بچائی ہے

فاطمہؑ کی گود کا پالا جگا کر قوم کو سو رہا ہے کربلا کی منزلِ بیدار میں

تا ابد زندہ ہے اور تا ابد اسلام ہے اے شہیدِ کربلا اسلام تیرا نام ہے

شہیدِ ظلم کلیجے ہلا دیے تو نے حسینؑ درد کے دریا بہا دیے تو نے
جراحتوں میں نمک بھر دیا تشکر کا اذیتوں میں تبسّم گھلا دیے تو نے
زمینِ کرب و بلا پر خلیلِ کرب و بلا ہزار کعبۂ معنی بنا دیے تو نے
ہر اک ذرۂ بے حس میں اک تڑپ بھر دی دماغ وضع کیے دل بنا دیے تو نے

آج اُس سے عبادت باقی ہے آج اس سے نمازیں قائم ہیں کل ایک مصلّا بچھا تھا جو تیروں کی بوچھاروں میں

اے چرخ جس کے ہاتھ میں ہو نظمِ کائنات   وہ کربلا سے شام تلک ساربان رہے

تا قیامت ماتمِ شبیرؑ مٹ سکتا نہیں   ظلم سب کچھ ہو چکے یہ سعی بے جا بھی سہی

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے   تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

اے ہند کے مزدور سپوتو ادھر آؤ   مظلوم ہو مظلوم سے دل اپنا لگاؤ

ہندو ہوں کہ مسلم ہوں وہ غم خوار ہے سب کا   ہوتا ہے اُسے درد غریبوں کے تعب کا

یہ مجلسِ غم ظلم مٹانے کے لیے ہے   دنیا کو رہِ راست دکھانے کے لیے ہے
انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے   محدود نہیں سارے زمانے کے لیے ہے

اشکِ عزا کی تہ میں ہے طوفاں چھپا ہوا   دنیا میں حجم چشم حقیقت مگر نہیں

تصدق میں شہیدانِ وفا کے وہ بھی دن آئیں   حسینی کارواں کا رخ یہ قومی کارواں سمجھے

خطبۂ سجادؑ ہو یا ہو رجز شبیرؑ کا   ان کا ایک اک حرف شرحِ عزتِ اسلام تھا

مایا نے جنھیں ٹھکرایا تھا وہ مایا روپی بندے تھے   یہ ایشر روپی بندے ہیں یاں مایا ٹھوکر کھاتی ہے

کربلا کو بنا گیا کعبہ   کس کو منہ پھیرنے کا یارا ہے

اُس مکاں سے بلند ہیں شعلے　　حق نے تارا جہاں اُتارا ہے

ہمیں دیارِ مدینہ سے یہ شکایت ہے　　کہ یہ حسینؑ کے ہمراہ کربلا نہ گیا

کچھ ایسے وقت میں زنجیر پہنی عابدؑ نے　　کہ اس گھرانے سے صدیوں یہ سلسلہ نہ گیا

جوانا مرگ تھے عباسؑ بھی اکبرؑ بھی قاسمؑ بھی　　وفا داروں میں آئی تھی جوانی بے وفا ہوکر

یہ کیسا شکر کا کلمہ تھا مولاؑ قتلِ اصغرؑ پر　　رہے گا حشر تک ہر لفظ جس کا مرثیا ہوکر

ابر و ہوا و ارض و سماوات دشت و در　　ساکت ہیں مرضیِ شہؑ ابرار دیکھ کر

یوں ہوگئی شہیدوں کی لاشوں پہ روشنی　　تاروں کے کچھ چراغ جلے چاندنی رہی

مظلوم کے ایثار کی قوت کو نہ پوچھو　　ماتم میں یہ قوت ہے کہ دنیا کو ہلا دے

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے　　بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

ہو آلِ مصطفیؐ کا لہو جس کے دوش پر　　وہ انقلاب دہر نہ کیوں یادگار ہو

طوفانِ آب تیغ بھی شرما کے رہ گیا　　بچے ذرا ذرا سے لہو میں نہا گئے

تعجب ہی کیا ہے خدائی جو لے لیں　　خدا کے لیے گھر لٹا دینے والا

زندگی کی گود میں وہ اضطرابِ کائنات　　بن گئی بے شیر کا جھولا شبِ عاشور کو

———

جانے کیوں کر رہ گئے بے پردا اَسرارِ ازل　　ننگے سر تھیں فاطمہ زہراؑ شبِ عاشور کو

———

بے چین ہیں غربت پہ تری چاند کی کرنیں　　سوجائیں گی لاشہ ترا آغوش میں لے کر

———

الجھے ہوئے بالوں پہ فدا شامِ شبِ غم　　ڈوبی ہوئی نبضوں پہ ستاروں کی نچھاور

———

چتون میں چھپائے ہوئے اکبرؑ کی جوانی　　مٹھی میں دبائے ہوئے سجادؑ کے جوہر

ننھے سے مجاہد علی اصغرؑ علی اصغرؑ

———

ایسے بے پروا کہ جیسے سر ہی شانوں پر نہیں　　جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شب عاشور کو

———

شمع لے کر روئے اکبرؑ دیکھنے بیٹھی تھی ماں　　صبحِ محشر تک ٹھہرنا تھا شبِ عاشور کو

———

پانی کی بندشوں پہ حقارت کی اک نظر　　عزّت کی موت سے وہ نگاہیں لڑی ہوئی

اک ذاتِ سرفروش اور اک ذاتِ کردگار　　مرکز سے کائناتِ دوعالم ہٹی ہوئی

وہ نفسِ مطمئن کا سرِ عرش سے خطاب　　جنبش سی وہ لبوں کو وہ گردن ڈھلی ہوئی

———

اب جاکے ہمالہ پربت سے یہ ماتم کی ٹکرائی ہے　　اُس دیش کی بھی دُور بلا جس دیش پہ یہ غم چھائے ہے

———

چشم خوں آلود میں اشکِ سکینہؑ کی تری　　لعل لب پر خشکئ لب ہائے اصغرؑ دیکھنا

———

نبض کی رفتار زینبؑ کا مسلسل اضطراب	دل کی دھڑکن جنبشِ گیسوئے اکبرؑ دیکھنا
چہرۂ پُرنور پر زردی رُخِ سجادؑ کی	چین آبرو میں غمِ سبطِ پیمبرؐ دیکھنا

—————

میں نجم ایک ذرّہ ہوں تیری رہگزر کا	شاعر ہوں تیرے در کا اے عرشِ آشیانی

—————

ننھا سا یہ مسافر دیکھو رہِ رضا کا	تاریخ اس کو فاتح لکھے گی کربلا کا
جھولے کو چھوڑ کر جو مقتل کو جا رہا ہے

—————

سارے جہاں سے کہہ دو کون و مکاں سے کہہ دو	یہ روحِ کارواں ہے ہر کارواں سے کہہ دو
پیاسا ہے تین دن کا اور تیر کھا رہا ہے

—————

سویا علیؑ کا لال دو عالم کو جیت کر	مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا

—————

ہمّت یہ استوار کہ ہر لب پہ شکرِ حق	چہروں سے آشکار کہ ہر دل دکھا ہوا

—————

یک بہ یک اٹھا فضا میں زینبؑ کبریٰ کا ہاتھ	ہاتھ کا اٹھنا کہ سناٹا سا تھا چھایا ہوا
کربلا میں نذر دو بیٹے دیئے جس ہاتھ نے	اس میں تھراہٹ کہاں مجمع تھا تھرایا ہوا
ظلم و بدعت کی رسن جس ہاتھ کو جکڑے ہوئے	دستِ قدرت کی طرح نفسوں پہ جو چھایا ہوا

—————

نجمی کوئی سبق نہ لیا کربلا سے کیا	کیوں بے حسی کا قوم پہ الزام آ گیا

—————

ہمراہ ہوں اے نجم یہ نوحے یہ قصیدے	جب ملکِ عدم کے لیے حکمِ سفر آئے

—————

نجمؔ اسی کے فیض سے شاعرِ اہلِ بیتؑ ہوں — دین کے آفتاب کی یہ بھی ہے ذرّہ پروری

اے نجمؔ کچھ نہ پوچھو اُس وقت کی جلالت — تنہا تھے دشمنوں میں جس وقت شاہِؑ والا

سوئے دیارِ کربلا جب کوئی قافلہ گیا — نجمؔ وہ بدنصیب ہیں رہ گئے دل کو مار کے

رختِ عزا پہن کر اے نجمؔ گھر سے نکلو — ہندوستاں میں آئی سرکار کی سواری

سُنا ہو اور دیکھا ہو کبھی اہلِ تولّا نے — ہمیشہ نجمؔ اس انداز کو نوحہ سناتے ہیں

نجمؔ ہمیں نزع میں صرفِ عزا دیکھ کر — موت بھی کچھ دیر کو در پہ ٹھہر جائے گی

وہ سامنے ہے علَم کی شبیہ نجمؔ اٹھو — وفا پرستی کا منظر دکھایا جاتا ہے

جہاں کو درس دے رہے ہو اُسوۂ حسینؑ کا — بیاض نجمؔ دلفگار نوحہ خواں لیے ہوئے

اے نجمؔ یہی اپنی بخشش کے سہارے ہیں — زہراؑ کے دُلارے ہیں زہراؑ کے دُلارے ہیں

یہ نجمؔ تیرا شاعر دردِ نہاں کے صدقے — دل کو زباں بنادے سوکھی زباں کے صدقے

نجمؔ اُڑ اُڑ کر ہماری خاک کے ذرّے ہمیں — یا نجف لے جائیں گے یا کربلا لے جائیں گے

کیا جان دے کے نجمؔ گیا جانِ مرتضیٰؑ — جب موت میں حیات تھی خنجر گلے پر تھا

ترا غم تیری محبت نجم کا اسلام ہے   اے شہیدِ کربلا تجھ پر سلام اسلام کا

اپنے کو جو چاہے نجمی اُس کو کون نہ چاہے   بھارت ماتا سوگ منا کر من ہر لیں ہمارا

دوش پر فوجِ حسینؑ کا علم لے کر چلو   نجم آو بزمِ ماتم میں قلم لے کر چلو

نجم ایک نظر کا خواہاں ہے مرضی جو نہیں یہ بھی نہ سہی   دربار میں شامل ہو کہ نہ ہو شاعر ہے یہ ترا تیرے لیے

ہے نجم کی ہستی کیا اے کرب و بلا والے   کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے

یہ دل میں دردِ محبت یہ نجم جوشِ سخن   یہ تیرا خامۂ ماتم نگار کیا کہنا

در پہ تیرے صف بہ صف تارے بھی ہیں چاند بھی   نجم کی خاطر فقط گردشِ ایام ہے

یہ نجم نوحہ گر کا نوحہ قبول کر لے   اے مجلسِ عزا میں تشریف لانے والے

نجم آئے تو اہلِ دل نے کہا   درد یکسر غم تمام آئے

عازمِ زیارت ہے نجم ایک مدت سے   کس کو اب صدا تو نے ارضِ کربلا دی ہے

شاعر ہوں اہلبیتؑ کا میں نجم دلفگار   پہچانتے ہیں کشتۂ راہِ خدا مجھے

نجم غرورِ ملت ہے جلوہ طرازِ کرب و بلا   ایسا مجاہد عالم میں نازِ دو عالم ہوتا ہے

فیضِ مداحی نے لفظوں کو عطا کی زندگی   اک حقیقت اک تڑپ ہے نجم کے اشعار میں

———

نجم غنیمت ہے یہ سینہ زنی قوم کی   یاد تو اسلاف کی تیغ زنی رہ گئی

———

کب حضوری میں بلاتے ہیں حسینؑ ابن علیؑ   دیکھتا ہوں نجم کب تک گردشِ ایام ہے

———

مزا ملا ہے وہ دل کو تری ولا کے نثار   حیاتِ نجم کے لمحے بڑھا دیے تو نے

———

جنت کی سند بن جائے گی اے نجم ثنائے آلِ نبیؐ   نظمیں یہ ہماری پہنچیں گی جب ان کی سخی سرکاروں میں

———

سرکارِ اہلبیتؑ کا شاعر بنا دیا   اب اور نجم طالعِ بیدار کیا کریں

———

مرکز غم حسینؑ کا ہندوستاں ہے نجم   آباد پُر بہار یہ ہندوستاں رہے

———

کربلا جانے کا کچھ ساماں نظر آتا نہیں   نجم دل پر ایک یہ داغ تمنا بھی سہی

———

مجھے نجم کوئی کہا کرے میں بلند اوجِ فلک سے ہوں   مجھے مدحِ آلِ رسولؐ نے مدوِ مہر سے بھی بڑھا دیا

———

کچھ غور کرو نجم کے مفہوم سخن پر   دیوانہ سمجھتے ہو تو مرنے کی دعا دو

———

سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دوہے ہیں کچھ نوحے ہیں   نجمی یہی مایا لائے تھے نجمی یہی مایا چھوڑ گئے

———

اسی دھن میں نالے کیے جاؤ نجمی   یہ نوحے ہیں دل کو ہلا دینے والے

سُنا کر نجم قصّہ کربلا والے شہیدوں کا مسلمانوں کو سمجھا دو مسلماں ایسے ہوئے ہیں

فاطمہؑ کا مہ پارا ہے جگت گرو نجمی آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ بپتا تھی

نجمی حسینیت کی طرف جھک رہے ہیں دل مصروف غور و فکر میں ساری خدائی ہے

رُت ہند کی بدلے گی محرم کی بدولت نجمی یہ بہار آئے گی ماتم کی بدولت

اس دیس کی آنکھیں بھی نجمی پیاسی تھیں حسینیؑ درشن کی بھارت میں اجالا پہنچا ہے کربل میں درس دکھلایا تھا

رہے خالی جو فکرِ منقبت سے ذکرِ مولاؑ سے وہ لمحے زندگی کے نجم ہم نے رایگاں سمجھے

شہِ دیں کا تصرف ہے یہ نوحہ مرثیہ ورنہ میں جس عالم میں ہوں اے نجم دنیا کو خبر کیا ہے

حالت ہی نجم کب تھی نوحہ گری کے قابل ہم چپ ہی ہو چکے تھے دل نے مگر نہ مانا

دیارِ ہند کے محبوب ہیں حسینؑ اے نجم محال ہے کہ یہاں غم حسینؑ کا نہ رہے

نجم آتے ہیں وہ آہ بہ لب دست بہ سینہ دیکھے تو کوئی شاعرِ سرکار کا عالم

نجمی وہ بڑے دل والے تھے دل ام سے دھک دھک کرتے ہیں یاد ان کی سما کر سینوں میں ماتم کی دھک بن جاتی ہے

زیارت کا شرف حاصل ہو جب اے نوحہ خواں تجھ کو فضائے کربلا میں نجم کا نوحہ سُنا دینا

اب غلاموں میں وہ گنے نہ گئے نجم آقا یہی ہمارا ہے

پاؤں عابدؑ کے کہاں زنجیر کی ایذا کہاں ‏ کربلائے شام تک نالے کیے زنجیر نے

نجم نوحوں کو صداقت کا مرقع کردیا ‏ کربلا کے غم نے غم کی دائمی تصویر نے

جہاں میں نجم یہ کرب و بلا کا افسانہ ‏ کہا گیا مگر اس شان سے کہا نہ گیا

حضور نجم کو اب کربلا میں بلوالیں ‏ اجل غریب کی نزدیک آئی جاتی ہے

زمینِ سخن آسماں بن گئی ہے ‏ وہ گردوں سے اے نجم تارے اُتارے

پیکرِ شاعری میں نجم نور حیات آگیا ‏ راحتِ اہلِ بیتؑ سے جذبۂ دل سنور گئے

منزل شبیرؑ تک نجم نہ پہنچیں گے ہم ‏ آہ و بکا تک اگر جوشِ ولا رہ گیا

کیا کہتے ہوں گے نجم شہیدانِ کربلا ‏ راہِ عمل میں قوم کی رفتار دیکھ کر

دنیا میں وقت نجم کا اچھا گزر گیا ‏ مولاؑ کے غم میں غم تو خوشی میں خوشی رہی

مرجائے نجم مدح سرائی میں آپ کی ‏ حسرت ہے کام آئے مری جان آپ کے

قدرت ہے اگر نجم تو نوحہ کی زباں میں ‏ ہر قوم کو شبیرؑ کا پیغام سنا دے

کہاں اشکِ غم اور کہاں قصرِ جنت ‏ ہمیں نجم قیمت گھٹائے ہوئے ہیں

ہوئے کامل سخن ور مدحتِ آلِ پیمبرؐ سے ‏ ہمیں اے نجم سب کچھ آگیا اب اور کیا آئے

(علامہ اپنے قصاید اور نوحوں کے بیاضوں میں اپنے پوتے، پوتیوں، نواسے اور نواسیوں کی تاریخ ولادت کا مل محفوظ کر دیتے تھے)

فہرست نوحے

شمارہ	عنوان	مطلع	تعدادشعر	درحال
1	ایلچی	اے مسلمِ غریب صداقت کے ایلچی	(20)	مسلم ابن عقیلؑ
2	ترکِ وطن	آج مدینہ میں ہیں غم کی فراوانیاں	(15)	مدینہ سے روانگی
3	مدینہ کا سلام	سفر ہے کس کا کہ طوبا سلام کہتا ہے	(26)	مدینہ سے روانگی
4	مرکزِ حریّت	قسمت سے کربلا کی شہیدؑ آ رہے ہیں	(18)	ورودِ کربلا
5	دھرم پربت	اندھیارا پاپ کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے	(14)	کربلا
6	حسینیؑ تعمیر	پہنچا جو قتل گاہ میں زہراؑ کا لاڈلا	(26)	ورودِ کربلا
7	شب عاشور	چاند کمھلایا ہوا نکلا شبِ عاشور کو	(13)	شب عاشور
8	عاشور کی شب	دن ختم تھا آئی ہوئی عاشور کی شب تھی	(30)	شب عاشور
9	صبحِ عاشور	سجدے سے سر کسی کا اٹھا روشنی ہوئی	(14)	صبحِ عاشور
10	قومی نشان	نشانِ فوجِ پیمبرؐ سجایا جاتا ہے	(16)	پرچم عباسؑ
11	اُسوۂ حسینؑ	حسینؑ رن میں آ گئے یہ کارواں لیے ہوئے	(11)	امام حسینؑ
12	نمازِ خوف	یہ کن پیاسوں کے سجدے ہیں کہ دنیا تھرتھراتی ہے	(12)	نماز ظہر عاشور
13	مسلم کے لال	بے جاں ہیں مگر جانِ شہِؑ جن و بشر ہیں	(10)	پسران مسلم
14	زینبؑ کے دلارے	کس شوق سے چاہت سے مقتل کو سدھارے ہیں	(20)	عونؑ و محمدؑ
15	زینبؑ کے لاڈلے	یہ کربلا کی جنگ یہ بچوں کے ولولے	(18)	عونؑ و محمدؑ
16	شبابِ کربلا	علیؑ کے لاڈلے سروِ ریاضِ مصطفیؐ قاسمؑ	(20)	حضرت قاسمؑ
17	حسینیؑ جوان	رونقِ دشتِ نینوا قاسمؑ	(18)	حضرت قاسمؑ

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	در حال
18	پریم پنچھی	پریم نگر کا پنچھی قاسم موت سے بیاہ رچانے گیا	(11)	حضرت قاسم ہندی
19	بہشتی	کربلا میں شانِ عباسِ دلاور دیکھنا	(13)	حضرت عباسؑ
20	علمدارؑ	اے جانِ و دلِ حیدرؑ کرّار علمدارؑ	(20)	حضرت عباسؑ
21	عَلم اور علمدارؑ	کیا قیامت ہے یہ کیا منظر دکھاتا ہے عَلم	(26)	حصرت عباسؑ
22	شبیہِ پیمبرؐ	تھا موت کا تقاضا اکبرؑ کو زندگانی	(11)	علی اکبرؑ
23	علی اکبر	ہوئے پیدا تو صورت دیکھنے ہر شیخ و شاب آیا	(14)	علی اکبرؑ
24	کڑیل جواں	کیا سخت ماجرا ہے کہانی حسینؑ کی	(19)	علی اکبرؑ
25	اسلامی جوان	وہ عشرہ کی سحر اور وہ صدائے دلستاں اکبرؑ	(16)	علی اکبرؑ
26	حسینی سیوا	اکبرؑ کو سکارے مرنا تھا دھن موت کی سگری رات رہی	(11)	علی اکبرؑ
27	ننھا مجاہد	اے معرکۂ قوتِ اسلام کے جوہر	(15)	علی اصغرؑ
28	گود کا مسافر	اے غم کے راحتِ جاں اے دردِ دل کے پالے	(11)	علی اصغرؑ
29	ننھا سپاہی	غربت کا بیکسی کا بادل سا چھا رہا ہے	(19)	علی اصغرؑ
30	عزّتِ اسلام	جنگ میں بچوں کو شاہِ کربلا لے جائیں گے	(13)	شہدائے کربلا
31	آخری جاں نثار	کعبہ میں بلند ہوئی عصر کی اذاں	(19)	مجاہد کمسن
32	نوائیں	ہاتھ آئے تھے کیا کیا گلِ زہراؑ کو فدائی	(20)	شہدائے کربلا
33	عالم تنہائی	مقتل میں غش ہیں شبیرؑ تنہا	(20)	امام حسینؑ
34	بندۂ بے نیاز	زمیں کو زیرِ قدم آسماں بنائے ہوئے	(44)	امام حسینؑ
35	فاتح کربلا	حسینؑ قلبِ دو عالم ہلائے جاتے ہیں	(12)	امام حسینؑ
36	حسینی رضاکار	ذبح جب ان میں نبیؐ کی گود کا پالا ہوا	(23)	امام حسینؑ
37	دکھ کا ساگر	ڈوبی ہوئی دکھ کے ساگر میں سورج کی سنہری تھالی تھی	(11)	شامِ غریباں ہندی
38	اسلام کا سلام	اے رئیسِ دوسرا تجھ پہ سلام اسلام کا	(14)	امام حسینؑ
39	ذوالجناح	اے ذوالجناح اے شۂ بے کس کے راہوار	(15)	ذوالجناح

شمارہ	عنوان	مطلع	تعدادِ شعر	در حال
40	شامِ عاشور	عاشور کی وہ شام وہ رن بولتا ہوا	(14)	شامِ عاشور
41	کربلا سے کوفہ	صبحِ دم سمٹا جو دامن شب کا پھیلایا ہوا	(21)	سفرِ کوفہ
42	کھیون ہارا	کربل بن سے چلے مسافر باجت کوچ نقارا	(12)	شہدا کربلا ہندی باشا
43	دربارِ شام	پُر درد ہے دربارِ یزیدی کا نظارا	(28)	دربارِ یزید
44	ہاشمی شجاعت	اے خدا کے بندوں میں منتخب خدا والوں	(22)	بنی ہاشم
45	زندانِ شام	بادشاہِ کربلا شام کے زنداں میں ہے	(9)	امام سجادؑ
46	پہلا زائر	اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو	(15)	جابر ابن عبداللہ
47	طالبِ دیدار	زنداں سے چھٹ کے صاحبِ آزار آئے ہیں	(21)	چہلم کربلا
48	رخصتی سلام	ایک قائم ہیں مرے احساسِ غم سے مشرقین	(62)	گیارہویں محرم
49	سواری	رخصت ہے قتیلِ ستم و غم کی سواری	(39)	امام حسینؑ
50	ست کی سیوا	جب جھوٹ کی ندی بڑھ چڑھ کر لہراتی ہے اٹھلاتی ہے	(16)	شہدائے کربلا ہندی باشا
51	نعرۂ عمل	کیا صفِ ماتم پہ بیٹھے ہو عزادارو اٹھو	(15)	امام حسینؑ
52	جانِ تولا	بے چین بہت دل والے ہیں اے جانِ تولا تیرے لیے	(14)	امام حسینؑ
53	حیاتِ نو	شبیرؑ کو سر دے کر اسلام بچانا ہے	(14)	امام حسینؑ
54	ہمارا کارواں	وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا	(13)	شہدائے کربلا
55	پروردگارِ درد	شہیدِ ظلم غریب الدیار کیا کہنا	(14)	امام حسینؑ
56	ملّتِ ناکام	جلوہ گرِ کربلا تیرا ہی یہ کام ہے	(13)	ملّت
57	یثرب سے آنے والے	اے دشتِ کربلا میں یثرب سے آنے والے	(13)	امام حسینؑ
58	درود و سلام	اب سحر آئے اور نہ شام آئے	(13)	امام حسینؑ
59	نہرِ علقمہ	پیاسا رہا جانِ نبیؐ اے وائے نہرِ علقمہ	(12)	شہدائے کربلا
60	جانِ کربلا	جانِ کربلا تو نے راہِ حق دکھا دی ہے	(11)	شہدائے کربلا
61	تصوّرات	دنیا دکھائی دیتی ہے ماتم سرا مجھے	(12)	فکرِ شاعر

شمارہ	عنوان	مطلع	تعدادشعر	درحال
62	پیارا سجدہ	راج دلارا زہراؑ کا زخمی ہے اور پیاسا ہے	(11)	امام حسینؑ
63	پہلی مجلس	بھر دیا جوشِ عمل اسلام کی تلوار میں	(11)	امام حسینؑ
64	سینہ زنی	آج تک اسلام کی جلوہ گری رہ گئی	(11)	سینہ زنی
65	شبیرؑ کا پیغام	تا ابد زندہ ہے اور تا ابد اسلام ہے	(9)	امام حسینؑ
66	صبر عالم اُن	رن میں اصغرؑ تیر کھا کر رہ گئے	(9)	حضرت علی اصغرؑ
67	شہیدِ ظلم	شہید ظلم کلیجے ہلا دیے تو نے	(14)	امام حسینؑ
68	مظلوم کا حق	مظلوم کا حق ہے عالم پر ہیں دونوں جہاں غمخواروں میں	(12)	امام حسینؑ
69	مجبوریاں	امت ہوئی ہے درپئے آزار کیا کریں	(9)	شہدائے کربلا
70	نوحہ	سر دے کے کربلا میں شۂ اُنس وجاں رہے	(9)	شہدائے کربلا
71	نوحہ	کشتۂ کرب و بلا یاد خدا کر گئے	(9)	شہدائے کربلا
72	امتحان	امتحان کچھ اور باقی ہے تو ایسا بھی سہی	(9)	علی اصغرؑ
73	قربانیاں	یہ عنایتوں کی جزا ملی یہ ہدایتوں کا صلہ دیا	(9)	امام حسینؑ
74	اعجازِ کرم	باقی نہ رہا جب کہ حکومت کا سہارا	(28)	شہدائے کربلا
75	تبلیغِ محبت	مظلوم کے ماتم سے دو عالم کو ہلا دو	(16)	تبلیغ پیام حسینیؑ
76	علم بدوش	حسینؑ سے ہے دینِ حق حسینؑ دیں پناہ ہے	(18)	حسینیت
77	اسلام رہے گا	ہر عالمِ نو میں کرمِ عام رہے گا	(24)	عزاداری
78	الوداع	موسمِ غم ختم ہے اے گلعذارو الوداع	(10)	شہدائے کربلا
79	درشن کا اُجالا	درشن کا اُجالا لے کے چلے انکھوں میں اندھیرا چھوڑ گئے	(12)	شہدائے کربلا
80	اللہ والے	وہ جنگل میں یثرب کی گودی کے پالے	(14)	شہدائے کربلا
81	صبر و رضا	ظلم کی دنیا سے بیعت کے پیام آتے رہے	(12)	شہدائے کربلا
82	کارنمایاں	خدا کی راہ میں کارنمایاں ایسے ہوئے ہیں	(9)	امام حسینؑ

شمارہ	عنوان	مطلع	تعدادشعر	درحال
83	جگت گرو	اب حسینؑ اکیلے ہیں لٹ چکی جو مایا تھی	(9)	امام حسینؑ
84	اے حسینؑ	صبر اور تلوار کی حامی ہے دنیا اے حسینؑ	(17)	امام حسینؑ
85	ست جگ کا ستارہ	پر بھوما مے گلا کٹا یو گھر بھر دیولٹائے	(26)	شہدائے کربلا
86	عازمِ نجف	جاتے ہو کہاں دوش پہ زلفوں کو سنبھالے	(24)	زوّار
87	حسینیتؑ	سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے	(20)	حسینیتؑ
88	تیرہ سو برس بعد	اے صاحبِ دل واقفِ اسرارِ زمانہ	(39)	عزاداری
89	حسینیؑ ورثہ	سنسان تھی بستی یثرب کی کربل میں نبیؐ کا جلایا تھا	(12)	امام حسینؑ
90	راہِ خدا	ملّت کا شیدا حق کا شناسا	(20)	امام حسینؑ
91	حسینؑ کی دولت	یثرب کی نینوا کے ستم پر نظر نہیں	(11)	شہدائے کربلا
92	حسینیؑ کارواں	حسینؑ ابن علی اسلام کا درد نہاں سمجھے	(12)	شہدائے کربلا
93	غم کا منتظر	ڈھلا عاشور کا دن فاطمہؑ کا لال تنہا ہے	(17)	شہدائے کربلا
94	نازشِ اسلام	کربلا میں کس کا سر نیزہ پہ اے اسلام تھا	(14)	امام حسینؑ
95	موت کا تعاقب	پُر درد ہے نہایت اسلام کا فسانہ	(12)	امام حسینؑ
96	پیغام کربلا	جہاں نواز جو پیغام کربلا نہ رہے	(11)	امام حسینؑ
97	شہزادۂ انوار	عشرہ کا وہ دن وہ شہِ ابرار کا عالم	(30)	امام حسینؑ
98	پریم کہانی	کربلا کا انوکھا جنگل ہے تیروں میں ہوا بل کھاتی ہے	(11)	شہدائے کربلا
99	تیرہ سو برس	غمِ شبیرؑ وچشمِ تر کو تیرہ سو برس گزرے	(11)	عزاداری
100	صبر فاطمیؑ	خدا را سامنے سے ہر غمِ دنیا ہٹا دینا	(12)	عزاداری
101	مظلوم کا سہارا	تیر سے بے زباں کو مارا ہے	(14)	شہید کربلا
102	غم کا خلش	جان ڈالی پیکرِ اسلام میں شبیرؑ نے	(13)	شہیدائے کربلا
103	راہِ کربلا	پڑا جو وقت تو اسلام کو بچانہ گیا	(13)	واقعہ کربلا
104	شانِ وفا	خدا کے راہ میں گردن کٹائی جاتی ہے	(12)	امام حسینؑ

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	در حال
105	شانِ شہادت	سوئے جنت سدھارے جانِ زہراؑ کربلا ہو کر	(11)	امام حسینؑ
106	جانوں کی قیمت	وہ ڈوبے ہوئے خوں میں دریا کنارے	(11)	شہدائے کربلا
107	من چلے	خون کی ندیوں سے بھی اہلِ وفا گزر گئے	(11)	شہدائے کربلا
108	نقشِ وفا	خلق میں افسانۂ کرب و بلا رہ گیا	(10)	امام حسینؑ
109	راہِ عمل	کانپیں گے دل حسینؑ کا ایثار دیکھ کر	(14)	امام حسینؑ
110	اجرِ رسالت	کیا مستقل حسینؑ کی بیگانگی رہی	(12)	شہدائے کربلا
111	صراطِ شہادت	ملّت پہ اے حسینؑ ہیں احسان آپ کے	(12)	امام حسینؑ
112	اشکوں کی جزا	جس کو غمِ شبیرؑ کی توفیق خدا دے	(11)	عزاداری
113	تکبیر والے	مدینہ کی بستی سے آئے ہوئے ہیں	(14)	شہدائے کربلا
114	زندہ کارنامے	بلا اسلام پر آتے ہی سوئے نینوا آئے	(11)	شہدائے کربلا
115	نفسِ مطمئن	سر دیدیے بلا میں جو اسلام آ گیا	(11)	امام حسینؑ
116	تنہا	میدان میں شبیرؑ جو تنہا نظر آئے	(11)	امام حسینؑ
117	پیمبری	قسمتِ ذوالفقار میں یہ بھی تھا کارِ آخری	(14)	شہدائے کربلا
118	سجادۂ طاعت	اب عصر کا ہنگام ہے اور یادِ خدا ہے	(11)	امام حسینؑ
119	اعلانِ حق	زندہ ہے کربلا میں گردن کٹانے والا	(12)	امام حسینؑ
120	جوہرِ صبر	کس طرح خزاں ہوا دینِ خدا سنوار کے	(13)	امام حسینؑ
121	ورثہ داری	اے وہ لہو ہے جس کی خاکِ لحد سے جاری	(13)	امام حسینؑ
122	قافلہ سالار	کیوں باز رہے دیدۂ جونبار ہمارا	(13)	امام حسینؑ
123	اکبرؑ کا تصور	سحر آئی شبِ غم کی ستارے جھلملاتے ہیں	(11)	علی اکبرؑ
124	کربل کی آہ	فاطمہؑ کے گل بدن جانِ رسولؐ زمن	(7)	امام حسنؑ
125	زینبؑ آئی	جینے سے گھبرائی ہے زینبؑ	(20)	حضرت زینبؑ
126	نوحہ	اب کوئی نہیں قتل ہوئے سیّد ابرارؑ	(16)	وسعتِ امامؑ

شمارہ	عنوان	مطلع	تعدادشعر	درحال
127	نوحہ	اے فاطمہؑ زہرا کے غم و درد کی تصویر	(17)	حضرت زینبؑ
128	نوحہ	جاتی ہے زینبؑ وطن بالی سکینہؑ بغیر	(9)	شہدائے کربلا
129	مسافر کہاں ہے جو رہا	تین دن بھوکا پیاسا	(14)	امام حسینؑ
130	کاروانِ ماتم	راہ پہ ہے آج بھی زندہ باد کارواں	(17)	عزاداران
131	اسلام کا غرور	میدان سے لاشیں آئی ہیں چہرے بحال ہیں	(22)	پسران مسلم
132	جعفری نونہال	بستانِ جعفری کے نہالوں کو دیکھنا	(22)	عون ومحمدؑ
133	آمد شباب	جنگل کے تیرگی کا اُجالا بنے ہوئے	(20)	حضرت قاسمؑ
134	فرات پہ	تو کاروانِ درد سراپا نہ بن گیا	(18)	حضرت عباسؑ
135	پیاس	کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں	(13)	امام حسینؑ
136	کربلا نہ بھولیں گے	ظلم جو مسافر پہ ہوگیا نہ بھولیں گے	(19)	عزاداری
137	میر کارواں اصغرؑ	زندگی کی راہوں میں نورِ جاوداں اصغرؑ	(12)	علی اصغرؑ
138	حسینؑ کا چہلم	چہلم کرو حسینؑ کا آو حسینیو	(13)	اربعین
139	رگِ جاں	انصارِ حسینؑ میں نمایاں علی اصغرؑ	(18)	علی اصغرؑ
140	ہائے کربلا والو	اے خدا کے بندوں میں منتخب خدا والو	(12)	شہدائے کربلا
141	پروانہ شبیرؑ	سینوں میں یہی دل ہیں عزا خانہ شبیرؑ	(10)	عزادار
142	نوحہ	تو فرش پہ ہے عرش کی تنویر سکینہؑ	(12)	حضرت سکینہؑ
143	چہلم	چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورعین کا	(19)	چہلم
144	پردیسی	شبیرؑ ہی وہ پردیسی ہیں ہر دیس کو اپنا کرتے ہیں	(12)	امام حسینؑ

(1)

ایلچی

اے مسلمِ غریب صداقت کے ایلچی		دینِ مبین حق کی حکومت کے ایلچی
پیغمبرِ خدا کی امانت کے ایلچی		ایثار کے وفا کے شرافت کے ایلچی
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تیری ادائے مرگ کی دنیا شہید ہے		تاریخ ہے گواہ کہ پیاسا شہید ہے
روئے جسے حسینؑ وہ تنہا شہید ہے		کوفے میں کربلا کا تو پہلا شہید ہے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

نکلا وطن سے بارِ سفارت لیے ہوئے		فرمانِ بارگاہِ امامت لیے ہوئے
آقا کے اعتماد کی دولت لیے ہوئے		شبیرؑ کا پیامِ محبت لیے ہوئے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

دیکھا کوئی سفر نہ اس آن بان کا		بچوں کی فکر تھی نہ خیال اپنی جان کا
ہر لب پہ تذکرہ ہے وصیت کی شان کا		غم تھا دمِ اجل تو علیؑ کے نشان کا
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

مسلم تیری وفا کے مسلماں گواہ ہیں		تاریخ کے حروفِ درخشاں گواہ ہیں
شمس و قمر کے دیدۂ حیراں گواہ ہیں		غربت پہ تیری کوفہ کی گلیاں گواہ ہیں
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تنہا لڑا ہزار سے اللہ رے حوصلا		وہ دور بیکسی کا شجاعت کا ولولا
ٹھہرا نہ سامنے کوئی جانباز من چلا		کوفے کی تھی گلی تیرا میدانِ کربلا
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تنہا پہ فوج بھیجی تھی ابنِ زیاد نے طبقے اُلٹ دیئے تیرے جوشِ جہاد نے
پیہم شکست کھائی گروہِ فساد نے مارا تجھے فریب سے اہلِ عناد نے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

کیا کیا تھیں حسرتیں دلِ اُمیدوار میں پہنچا نہ پھر حضور شہِ ذی وقار میں
آیا نہ فرق پر تیرے قول وقرار میں کوفے کے در پہ لاش رہی انتظار میں
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

بچے بھی تیرے بعد بہت دن نہیں جیے کوفے سے دو عدم کو گئے حسرتیں لیے
جن بیکسوں کی موت پہ دشمن بھی رو دیئے دو کربلا میں سوتے ہیں جامِ اجل پیے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تو نے خدا کی راہ میں کیا کیا نہ غم سہا روحِ وفا نے چونک کے صلِ علیٰ کہا
تیرے جگر کا خونِ اس افراط سے بہا نسلِ عقیل میں کوئی باقی نہیں رہا
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

(2)

ترکِ وطن

آج مدینہ میں ہیں غم کی فراوانیاں آج مدینہ میں ہیں درد کی جولانیاں
آج مدینہ میں ہیں اشکوں کی ارزانیاں آج مدینہ میں ہیں زلزلہ سامانیاں
سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

جاتے ہیں معمورۂ دام و درم توڑنے سلسلۂ نخوتِ اہلِ ستم توڑنے
بتکدۂ شام کا تازہ صنم توڑنے سجدۂ معبود میں خاک پہ دم توڑنے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

دیس سے پردیس میں ظلم اُٹھانے چلے   دین کی بگڑی ہوئی بات بنانے چلے
قوتِ اسلام کی شان دکھانے چلے   خون سے بے شیر کے رنگ جمانے چلے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

خلق کے غمخوار سے شہر چھٹا گھر چھٹا   سرورِ کونین کا روضۂ انور چھٹا
قبرِ برادر چھٹی مسکنِ مادر چھٹا   ہائے وہ بیمارِ غم جس سے کہ گھر بھر چھٹا

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

آج مدینہ تیرے آئینہ پیکر گئے   زینتِ مسجد گئے رونقِ منبر گئے
صاحبِ مسند گئے وارثِ حیدرؑ گئے   جانے دیا تو نے کیوں ہائے وہ کیونکر گئے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

اہلِ مدینہ سے کہہ منہ سے تو کچھ بولئے   کیسی یہ غفلت ہوئی دیدۂ دل کھولئے
نالے کئے آہ کی اشکوں سے منہ دھولئے   جانِ پیمبرؐ گیا ساتھ نہ سب ہولئے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

تجھ کو خبر بھی ہے کچھ اب نہ اِدھر آئیں گے   تیرے مسافر کبھی پھر کے گھر نہ آئیں گے
عابدؑ مضطر فقط لے کے خبر آئیں گے   داغ بہ دل آئیں گے خاک بسر آئیں گے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

(3)

مدینہ کا سلام

سفر ہے کس کا کہ طوبا سلام کہتا ہے　　فرازِ عرشِ مُعلّا سلام کہتا ہے
یہ کون جاتا ہے کعبا سلام کہتا ہے　　مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

رہی تو کیا وہ قرینے کی زندگی نہ رہی　　سکوں پسند سفینے کی زندگی نہ رہی
جو آج تک تھی مدینے کی زندگی نہ رہی　　غرورِ یثرب وبطحا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

حسینؑ! یہ کرمِ کار ساز کیا کہنا　　درودِ عشق و سلامِ نیاز کیا کہنا
یہ حُسن کی نگہَ امتیاز کیا کہنا　　کسی کا جلوۂ یکتا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

کدھر سے درد کے مالک ہوائے درد آئی　　یہ کس کی آہ تڑپ کر فضا میں لہرائی
چلے ہو لیکے کدھر نازشِ مسیحائی　　کوئی مریض تمہارا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

یہ جانتے ہیں بنے ہو رہِ رضا کے لیے　　بہت دنوں سے ہو بے چین کربلا کے لیے
حسینؑ مُڑ کے ذرا دیکھ لو خدا کے لیے　　رواقِ مشہدِ زہراؑ سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

نہ پوچھیے جو فضا تھی ورودِ پیہم سے　　عجب نہیں جو تزلزل زمیں کو ہو غم سے
رہا جو مدفنِ مادر پہ آپ کے دم سے　　بقیع کا وہ اُجالا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سفر میں دشت کوئی بھا گیا تو کیا ہوگا　　جو دل فرات پہ لہرا گیا تو کیا ہوگا
کہیں عراق پسند آگیا تو کیا ہوگا　　حجازِ سیّد والا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

ستم شعاروں کی سازش بروئے کار نہ ہو — کسی سے جنگ محبت کے تاجدار نہ ہو
لحد میں روح پیمبرؐ کی بیقرار نہ ہو — سکونِ گنبدِ خضرا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

جبینِ پاک سُنا ہے کہ خونچکاں ہوگی — کہاں نماز تہِ تیغ جانستاں ہوگی
زمیں وہ آپ کے سجدوں سے آسماں ہوگی — نبیؐ علیؑ کا مُصلاّ سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

نظر کے ہیں یہ اشارے زباں نہیں کھلتی — کسی کے درد کے مارے زباں نہیں کھلتی
نبیؐ کے راج دُلارے زباں نہیں کھلتی — دلوں کا درد مسیحا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

جو اپنی تیغ کے جوہر دکھا نہیں سکتا — بُری گھڑی ہے مگر کام آ نہیں سکتا
وہ کم نصیب جو ہمراہ جا نہیں سکتا — وہ لطفِ خاص کا پیاسا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سلام راہِ رضا کا ازل سے تا بہ اَبد — سلام روحِ ولا کا ازل سے تا بہ اَبد
سلام اہلِ وفا کا ازل سے تا بہ اَبد — ہر ایک چاہنے والا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سلام تم پہ خدا کے غریب بندوں کا — ہر ایک قوم کے ملت کے حق پسندوں کا
سلام سارے زمانے کے درد مندوں کا — حسینؑ سارا زمانا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

مرکزِ حُرّیت

قسمت سے کربلا کی شہیدؔ آرہے ہیں — جنگل میں دردِ دل کی بستی بسارہے ہیں
شاید اُنہیں کو دنیا لشکر سمجھ رہی ہے — کچھ اپنے دل کے ٹکڑے ہمراہ لارہے ہیں
صدقے میں کارواں پر کیا عزمِ کارواں ہے — اصغر کا شوق دیکھو گودی میں آرہے ہیں
کیا چھوٹ پڑ رہی ہے چہروں کے آئینوں کی — ذرّاتِ کربلا میں جلوے سمارہے ہیں
مضبوط ہورہا ہے اسلام ہر قدم پر — کونین ہر نظر سے تسکین پارہے ہیں
مفہوم ہے نرالا انداز کہہ رہا ہے — محبوب ہیں ارادے تیور بتارہے ہیں
انسان یا الٰہی خاطر کریں گے کیا کیا — ہر گام پر فرشتے آنکھیں بچھارہے ہیں
کیا کیا نہ ہوں گے سب کو ارمانِ میزبانی — اللہ یہ مُسافر یثرب سے آرہے ہیں
اے وائے میزبانی یہ تین دن کے پیاسے — اپنے ہی خونِ دل کا دریا بہا رہے ہیں
یہ بے جگر مسافر نیزوں میں بڑھنے والے — ہر کاروانِ حق کی ہمت بڑھا رہے ہیں
میدانِ کربلا کو اپنا لہو پلاکر — دنیا میں حُریّت کا مرکز بنارہے ہیں
ذلّت کی زندگی سے عزت کی موت اچھی — الفاظ ہیں کہ ساری دنیا پہ چھارہے ہیں
ایمان بن گئے ہیں انسان ہوں تو ایسے — انسانیت کی خاطر تلواریں کھارہے ہیں
کیا پھول سے دِلوں کو پتھر بنالیا ہے — تلواریں کھارہے ہیں اور مسکرارہے ہیں
تاحشر درس لیں گے دنیا میں آنے والے — ایسا پیام دے کر دنیا سے جارہے ہیں
واللہ ان لبوں کو چُوسا ہے مصطفیٰؐ نے — نیزے کی نوک پر بھی قرآں سُنا رہے ہیں
کیا سوز ہے انوکھا کس دبدبہ کا ماتم — لرزش میں روحِ غم ہے دل تھرتھرارہے ہیں

ہر ذرّہ وطن کو اے تجمّم دل بنا دو
ہندوستاں میں آقا تشریف لارہے ہیں

دھرم پربت

اندھیارا پاپ کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے　　اک چاند سروپی سورج روپی مکھڑا درس دکھاتا ہے
جب مایا جگ کو کھاتی ہے جب ایسی بپتا آتی ہے　　جب مالک آنکھ بدلتے ہیں اک بندہ آڑے آتا ہے
لو دھرم کی من میں ہوک اُٹھی وہ دیس مدینہ چھوڑ چلا　　کانٹوں کی ڈگر سے شام نگر اک جانے والا جاتا ہے
سب کعبہ کے رکھوالے ہیں کچھ بوڑھے ہیں کچھ بالے ہیں　　سب ایک ہی کنبے والے ہیں ان سب کا نبیؐ سے ناتا ہے
کیا ایشر روپی مایا ہے من موہن مورت اکبرؑ کی　　یہ چاند عرب کی بستی میں ہمشکل نبیؐ کہلاتا ہے
عباسؑ کی سج دھج دیکھو گے ان مرنے جینے والوں میں　　چھاتی پہ مشک مچلتی ہے کاندھے پہ علم لہراتا ہے
کیا دھاروں پر تلواروں کی بیعت کا سندیسا دیتے ہیں　　جب ست ہی ست ہو ہردے میں دوجا کون سماتا ہے
شبیرؑ دھرم کا پربت ہے کوفے کے اُدھمی کیا جانیں　　مائی میں جسے مل جاتا ہو وہ پربت سے ٹکراتا ہے
اسلام کی جیون رکھشا کو بلدان ہے ننھے بچوں کا　　یاں گودیں خالی ہوتی ہیں واں دامن بھرتا جاتا ہے
قرآن کیسے دکھلائے گا اک بالک ہے قرآن نہیں　　دھرتی میں سُلا کر آئے گا جھولے سے اُٹھا کر لاتا ہے
شبیرؑ کے گھر کا حال کہو پھلواری کے رکھوالوں سے　　سو ہُوکیں من میں اُٹھتی ہیں اک پیڑ اگر مُرجھاتا ہے
اِک جینا مرنا اُن کا ہے جو جیتے ہیں مرجاتے ہیں　　اِک جینا مرنا اُس کا ہے جو مر کے امر ہو جاتا ہے
جاگی ہوئی کب کی آنکھیں تھیں خنجر کے تلے بھی آہ نہ کی　　سُکھ نیند اُسی کو آتی ہے جو سوتی قوم جگاتا ہے

بھاشا کے رسیلے شبدوں میں دُکھ رُوپ کہانی کربل کی
محنت پہ سوارت ہو جبھی یوں کون کسے سمجھاتا ہے

حسینؑ تعمیر

پہنچا جو قتل گاہ میں زہراؑ کا لاڈلا
تکلیفِ غم سے کانپ گئی ارضِ نینوا

آدابِ الوداع بجالائی زندگی
کی عرض بڑھ کے پیکِ اجل نے کہ مرحبا

دریا کی راہ روک لی کوفہ کی فوج نے
ساحل سے ہٹ کے دھوپ میں خیمہ بپا ہوا

آئیں نظر جو دور سے کمہلائی صورتیں
نکلی لبِ فرات سے فریاد کی صدا

جلتی ہوئی زمین کے ہونٹوں پہ آہ تھی
مہرِ فلک کو اپنی تمازت سے تھا گِلا

اُترے حرم نبیؐ کے قناتیں ہوئیں بلند
آواز دُور باش اُٹھی تھم گئی ہَوا

وہ گودیوں میں پھول سے بچے لیے ہوئے
ایک اک صغیر فدیۂ سلطانِ کربلا

اس اہتمام پر بھی نگاہیں جھکی ہوئی
تہذیب کی نقاب سے ہر مُنہ چھپا ہُوا

پردہ درِ خیام کا تطہیر کی خبر
گھیرے ہوئے جلالتِ انصارِ با وفا

دولت سرا کے در پہ ہر ایک خاص و عام کو
عباسؑ نامدار کی ہیبت کا سامنا

جنگل کی رُت بدل گئی مقصد کی شان سے
دِل راہِ حق میں ایک تھے خیمے جُدا جُدا

مرنے کو ایک سمت جوانانِ ہاشمی
لٹنے کو اک طرف حرمِ سیّدؑ الورا

آیا درود اَوجِ فلک سے حسینؑ پر
بہرِ سلام آئے زمیندارِ کربلا

شانِ جلال دیکھ کے تعظیم کو جھکے
رُوحِ جمال دیکھ کے صلی علیٰ کہا

تعمیر اک حسینؑ کے پیشِ نگاہ تھی
مُدت سے تھا خیال میں نقشہ کھچا ہوا

سلطانِ دوسَرا نے خریدی یہاں زمیں
ہر قصر کا بہشت میں چہرہ اُتر گیا

یہ اپنی قتل گاہ بنانے کو آئے ہیں
سمجھے بنی اسد کہ بنے گی محل سرا

جانِ علیؑ کو بات بنانی ہے دین کی
مقتل خریدنا ہے یہ مدفن خریدنا

سوئے گا سرکٹا کے یہاں فاطمہؑ کا لعل
تاحشر جانِ آدم و عالم بنا ہوا

اٹھارہ سال والے کی ہوگی یہیں لحد
زینبؑ سے کہہ نہ دے کوئی جاکر یہ ماجرا

اِک شیر کی بنے گی ترائی میں خواب گاہ
دریا کو جس نے چھین کے پانی نہیں پیا

قاسمؑ عروسِ مرگ سے شادی رچائیں گے
چھوٹی سے قبر ہوئے گی حجلہ عروس کا

اپنا لہو ملائیں گے اس خاک پاک میں
مُسلم کے لال زینبِؑ مضطر کے دِل رُبا

جھولے سے اُٹھ کے آئیں گے اصغرؑ اسی جگہ
گز بھر زمیں ملے گی اور اِک تیر بے خطا

لیلیٰ[1] کی حسرتوں کا بنے گا یہیں مزار
یاں دفن ہوگا خاک میں ارماں رباب[2] کا

مرکز بنے گا قوتِ اسلام کا یہ دشت
بہر طواف آئے گی یاں رُوحِ مصطفیٰؐ

(7)

شبِ عاشور

چاند کمہلایا ہوا نکلا شبِ عاشور کو
کس قدر غم کا اندھیرا تھا شبِ عاشور کو

ہورہی تھیں تیز تلواریں نبیؐ کی آل پر
لرزہ براندام تھی دنیا شبِ عاشور کو

زندگی کی گود میں وہ اضطرابِ کائنات
بن گئی بے شیر کا جھولا شبِ عاشور کو

آہ نکلی سینۂ گیتی سے پہنچی تا فلک
توڑ کر فطرت کا سناٹا شبِ عاشور کو

کربلا کے دشت میں بیخواب تھا جانِ حجاز
سو رہے تھے یثرب و بطحا شبِ عاشور کو

متحد تھا شکرِ حق میں صبح کرنے کے لیے
قافلہ دو روز کا پیاسا شبِ عاشور کو

تھے تبسم ریز انصارِ حسینؑ ابن علیؑ
زندگی دلچسپ تھی گویا شبِ عاشور کو

کچھ صدائیں آرہی تھیں خیمۂ شبیرؑ سے
درد کا طوفان تھا دریا شبِ عاشور کو

اللہ اللہ چاہتے ہیں تجھ کو انصارِ حسینؑ
زندگی نے موت سے پوچھا شبِ عاشور کو

ایسے بے پروا کہ جیسے سر ہی شانوں پر نہیں
جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شبِ عاشور کو

شمع لے کر روئے اکبرؑ دیکھنے بیٹھی تھی ماں
صبحِ محشر تک ٹھہرنا تھا شبِ عاشور کو

جانے کیونکر رہ گئے پردہ میں اسرارِ ازل　　ننگے سر تھیں فاطمہ زہراؑ شبِ عاشور کو
انجم گردوں سر بسجدہ ہے ستارے بے زباں
کس سے پوچھیں تم نے کیا دیکھا شبِ عاشور کو

(8)

عاشور کی شب

دن ختم تھا آئی ہوئی عاشور کی شب تھی　　کس غم کی ستائی ہوئی عاشور کی شب تھی
اشکوں میں نہائی ہوئی عاشور کی شب تھی
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
بگڑی ہوئی تھی عالمِ اسباب کی صورت　　اک درد تھا گھیرے ہوئے گرداب کی صورت
افلاک پہ سہمی ہوئی مہتاب کی صورت
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
خورشید کو شکل اپنی دکھانے میں تامل　　فطرت کو تھا دنیا کے جگانے میں تامل
صبحِ شبِ عاشور کو آنے میں تامل
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
شبیرؑ کے انصار میں تھی یادِ الٰہی　　سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تشہد کی گواہی
رکھے ہوئے تھے خاک پہ ماتھوں کو سپاہی
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
اخلاص بڑھاتا ہُوا ہر سانس کا پھیرا　　پُر نور جبینوں سے جھلکتا تھا سویرا
سمٹا ہوا تھا شام کے لشکر کا اندھیرا
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
محسوب تھے کچھ تنگ نظر خوش نظروں میں　　کم ظرف سموئے ہوئے خالی گھروں میں

کھوئے بھی کئی مل گئے تھے آ کے گھروں میں
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
اے صلِ علی ہمتِ مردانۂ شبیرؑ   حیران تھے افلاک و زمیں صورتِ تصویر
دربار میں گونجی ہوئی شبیرؑ کی تقریر
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
مقصد تھا کہ میرے لیے زحمت نہ اُٹھائے   جانا ہو جسے شب کے اندھیرے میں وہ جائے
بیٹھا تھا رسالت کا قمر شمع بُجھائے
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
کمزور یہی ڈھونڈتے رہتے ہیں سہارے   تھرّاتا رہا چاند لرزتے رہے تارے
جانا تھا جنہیں منہ کو چھپا کر وہ سدھارے
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
وہ رہ گئے مولا پہ جو انصار تھے صدقے   کتنے درِ دولت کے نمک خوار تھے صدقے
خیمے میں اُدھر صبح سے تیار تھے صدقے
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
قربانیوں کی فکر میں تھے شہؑ کے یگانے   دِل بخشا تھا کیا ثانیٔ زہراؑ کو خدا نے
بچوں کو سُنائی تھیں شجاعت کے فسانے
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
قاسمؑ کو یہ حسرت تھی کہ آقا پہ ہوں قرباں   سہرا تھا نہ بدھی تھی نہ تھا بیاہ کا ارماں
چہرہ تھا یہاں شوقِ شہادت میں درخشاں
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
تیار تھے مرنے کو جگر بند ہراول   تھا شغل علمدارؑ کا تلوار کی صیقل
اس شیر کے نعروں سے تھا گونجا ہوا جنگل
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
دلدوز عجب خیمۂ لیلیٰؑ کا تھا منظر   سویا ہوا تھا فرش پہ ہمشکلِ پیمبرؑ

منہ دیکھتی تھی شمع جلائے ہوئے مادر
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
ایک ایک کا تھا گود کے پالوں سے اشارہ رہنا کہیں پیچھے نہ دمِ جنگ خدا را
اصغرؑ کی بھی قسمت کا چمکتا تھا ستارا
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

(9)

صبحِ عاشورہ

سجدہ سے سر کسی کا اُٹھا روشنی ہوئی   عشرہ کی صبح آئی قیامت بنی ہوئی
وہ سامنے حسینؑ کے میدانِ کربلا   دِل میں وہ کربلائے محبت بسی ہوئی
وقتِ نماز عصر کا آنکھوں کو انتظار   کانوں میں وہ اذاں علی اکبرؑ کی دی ہوئی
بَر میں قبا تو سر پہ عمامہ رسولؐ کا   تحت الحنک بندھی ہوئی زلفیں کھلی ہوئی
وہ رخصتِ حسینؑ وہ پردہ اُٹھا ہُوا   خیمہ میں یا علیؑ کی صدا گونجتی ہوئی
انصار ادھر سلام کو باندھے ہوئے صفیں   دَر پر بلائیں لینے کو فضہ کھڑی ہُوئی
دستِ جہاں پناہ میں اسلام کی نجات   راہِ خدا ثباتِ قدم سے لگی ہوئی
وہ گرد و پیش مجمع اَرواحِ انبیاءؑ   دنیا ادب سے حدِ نظر پر رُکی ہُوئی
اُلٹی ہُوئی وہ اکبرؑ و قاسمؑ کی آستیں   عباسؑ نامدار کی تیوری چڑھی ہُوئی
پانی کی بندشوں پہ حقارت کی اِک نظر   عزّت کی موت سے وہ نگاہیں لڑی ہُوئی
وہ رفتہ رفتہ عالمِ تنہائی حسینؑ   ننھی سی قبر ہاتھ میں مٹی بھری ہُوئی
اکِ ذاتِ سرفروش اور اِک ذاتِ کردگار   مرکز سے کائناتِ دو عالم ہٹی ہوئی

سجدہ کہ جس پہ سجدۂ کون و مکاں نثار	حیرت سے کربلا کی زمیں دیکھتی ہوئی
وہ نفسِ مطمئن کا سرِ عرش سے خطاب
جنبش سی وہ لبوں کو وہ گردن ڈھلی ہوئی

(10)

قومی نشان

نشانِ فوجِ پیمبرؐ سجایا جاتا ہے	شبابِ شیرِ خدا یاد آیا جاتا ہے
علیؑ کا لال علَم لے چکا برادر سے	سکینۂ بی بی کا سقّہ بنایا جاتا ہے
علَم میں مشک بندھی سب کی بندھ گئی اُمید	کہ اَب پیاسوں کو پانی پلایا جاتا ہے
حرم میں گھیرے ہوئے ہے نبیؐ کی آل بھی	ابھی تو آنکھوں سے پرچم لگایا جاتا ہے
خدا کرے کہ یہ خیمہ میں کامیاب آئے	بڑی اُمید سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے
علیؑ کا چاند علیؑ کا نشان کیا کہنا	تمام دشتِ بلا جگمگایا جاتا ہے
ہوائے درد پھریرے کو لے اُڑی رَن میں	ابھی فرات کی لہروں پہ چھایا جاتا ہے
وہ شیر گھاٹ پہ پہنچا وہ مشک بھر کے پھرا	وہ نیزہ بازوں کے نرغہ میں آیا جاتا ہے
جو تیر مشک پہ آیا وہ لے لیا دِل پر	وفا کی راہ میں یوں زخم کھایا جاتا ہے
گھٹا جو زور تصوّر بڑھا سکینۂ کا	نظر میں پھول سا چہرہ سمایا جاتا ہے
سمٹ کے آئی ہیں فوجیں کہ راستہ نہ ملے	علیؑ کے چاند پہ بادل سا چھایا جاتا ہے
جسے لہو سے بھی اپنے عزیز سمجھا تھا	لگا کے تیر وہ پانی بہایا جاتا ہے
اُمید قطع ہوئی اب سنبھل نہیں سکتے	نشانِ فوجِ خدا تھرتھرایا جاتا ہے
کٹا کے ہاتھ ترائی میں سو گئے عباسؑ	علَم حسینؑ کے خیمہ میں لایا جاتا ہے
کچھ ایسی شان سے اکبرؑ اٹھا کے لائے ہیں	کہ جس طرح سے جنازہ اُٹھایا جاتا ہے
وہ سامنے ہے علَم کی شبیہہ مجسّم اٹھو
وفا پرستی کا منظر دکھایا جاتا ہے

(11)

اُسوۂ حسینؑ

حسینؑ رن میں آگئے یہ کارواں لیے ہوئے　　سکونِ دل لیے ہوئے قرارِ جاں لیے ہوئے
غریب و خستۂ سفر جگر فگار و تشنہ لب　　تنِ ضعیف و مضمحل دلِ جواں لیے ہوئے
امیرِ کائنات کی جلالتیں نگاہ میں　　رسولِ شش جہات کی تجلّیاں لیے ہوئے
صداقتِ اصول کی تسلّیوں سے مطمئن　　شرافتِ خیال کی بلندیاں لیے ہوئے
تمام ظلم و جور کے مقابلہ کی فکر میں　　تمام ضبط و صبر کی نشانیاں لیے ہوئے
وہی جلالِ حیدریؑ وہی ادائے خیبری　　علیؑ کا لعل دوش پر وہی نشاں لیے ہوئے
یہ کس کے حُسن کی جھلک جمالِ اکبریؑ میں ہے　　خطا شعار دم بخود ہیں برچھیاں لیے ہوئے
ہوائے تیرِ ظلم کا گلوئے خشک منتظر　　خلاصۂ جہاد ایک بے زباں لیے ہوئے
یہ کس نبیؐ کی قوم ہے جو تا بہ شام جائے گی　　نبیؐ کے اہلبیتؑ کو کشاں کشاں لیے ہوئے
ہزار درد و رنج پر ثباتِ عزمِ آہنی　　یہ ناتواں ہیں کس قدر غمِ گراں لیے ہوئے

جہاں کو درس دے رہے ہیں اُسوۂ حسینؑ کا
بیاض تجمّل دلفگار نوحہ خواں لیے ہوئے

(12)

نمازِ خوف

یہ کن پیاسوں کے سجدے ہیں کہ دنیا تھرتھراتی ہے　　زمینِ کربلا پیشانیوں سے لپٹی جاتی ہے
صدائیں قتل کے میدان میں اللہ اکبر کی　　یہ کس کا دل ہے کس کا ہے کلیجہ کس کی چھاتی ہے
اِدھر تیر آرہے ہیں جلتی ریتی کے مُصلے پر　　صدائے واحسینا اُس طرف خیمہ سے آتی ہے

سپر ہے تو سعیدِ با وفا ایسے نمازی کی سحر ہے جس کو رُوحِ فاطمہؑ چھاتی لگاتی ہے
کہاں دیکھا تھا دنیا نے قیام ایسا قعود ایسا وہاں پر تو ہے تیروں کی جہاں بوچھار آتی ہے
جزاک اللہ تو نے جنگ کی حسرت بھی صدق کی محبت آج تیرے نام کا ڈنکا بجاتی ہے
نمازِ آقا کی تیرے ختم ہے اور زندگی تیری مبارک! تیری بالیں پر شہادت مُسکراتی ہے
یہ حالت ہے نواسہ کی ذرا نانا سے کہہ دینا ہنساتے تھے جسے تم آج اُسے دنیا رُلاتی ہے
اکیلا ہے تمہارا لاڈلا اعدا کے نرغہ میں جب اُٹھتی ہے نظر انصار کے لاشے دکھاتی ہے
ملے ہیں داغِ دل داغِ جگر اجرِ رسالت میں سبق جو دے گئے تھے وہ اُمت بھُولی جاتی ہے
سُنی جاتی نہیں اب تشنہ لب بچوں کی آوازیں جب آتی ہے صدائے العطش خیمہ سے آتی ہے
نمازِ عصر پڑھنی ہے ابھی حضرت کے دلبر کو
نہ جانے یہ قیامت خیز ساعت کیا دکھاتی ہے

(13)

مسلم کے لال

بے جاں ہیں مگر جانِ شہِ جن و بشر ہیں گو پیاس کے مارے ہیں یہ رشکِ گُلِ تر ہیں
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
ہونٹوں سے یہ ظاہر ہے کہ پانی نہیں پایا تیور کا یہ عالم ہے کہ بل تک نہیں آیا
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
انصار ہیں فرزند رسولؐ عربی کے ہیں ساتھ کے کھیلے ہوئے ہمشکلِ نبیؐ کے
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
کوفہ کے مسافر کی ذرا یاد جو آئی اب تک ہے زبانوں پہ وہ تلوار چلائی

کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

مذبوح جفا حُسن کی تصویر ہیں دونوں   بابا کی طرح فدیۂ شبیرؑ ہیں دونوں
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

یہ نزع کا ہنگام یہ معصوم نگاہی   دیتا ہے ہر انداز لڑکپن کی گواہی
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

منکے ہیں ڈھلے نبض کی رفتار ہے دھیمی   لاشوں پہ نہیں کوئی بجز دردِ یتیمی
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

تا حشر کہی جائے گی دنیا میں کہانی   آفاق میں گھر گھر انہیں روئے گی جوانی
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

اے نجم میں اس شان اس انداز کے صدقے   اِن سینوں میں رُکتی ہوئی آواز کے صدقے
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

(14)

زینبؑ کے دُلارے

کس شوق سے چاہت سے مقتل کو سدھارے ہیں   ہیں چاند سی شکلیں بھی انداز بھی پیارے ہیں
گیسو اسی بی بی نے ہاتھوں سے سنوارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

ایمانِ وفا ہوگی عالم میں وفا اِن کی   دُنیا کو رُلائے گی مرنے کی ادا اِن کی

دریا پہ نہ جائیں گے گو پیاس کے مارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
ایسا کسی بی بی کا ایثار نہیں دیکھا بھائی سے زمانے میں یہ پیار نہیں دیکھا
بھائی کی محبت میں صدقے یہ اُتارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
ہے موت کی بے چینی کروٹ بھی نہیں لیتے امداد پہنچنے کی آہٹ بھی نہیں لیتے
ہونٹوں پہ تبسم ہے اور گور کنارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
کشتوں میں یہ رعنائی یہ شان نہیں دیکھی مرتے ہوئے بچوں میں یہ جان نہیں دیکھی
دُنیا سے کہو دیکھے یہ شیر ہمارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
دو فوجِ حسینؑ کے نو عمر مجاہد ہیں دو سبطِ پیمبرؐ کی مظلومی کے شاہد ہیں
دو عرشِ الٰہی کے ٹوٹے ہوئے تارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
کیا خون کی دھاروں نے دولہا سا بنایا ہے چہروں پہ جلالت کا کیا نور سا آیا ہے
قدرت کے ہیں شہ پارے قرآن کے پارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
کس شان سے آئی ہے بچوں کی قضا دیکھو کیا رنگِ شہادت ہے تیور تو ذرا دیکھو
بچپن میں جوانی کے آثار سنوارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
بے چارگیٔ دل کا چارہ نہ کیا اِن کو اسلام کی خدمت سے پیارا نہ کیا ان کو
یہ لاڈلے ماموں کے ماں باپ کے پیارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

تم اپنی محبت کے مرکز سے نہ ہٹ جانا　　ہاں حشر کے دِن اُن کے دامن سے لپٹ جانا
اے تجمّم یہی اپنی بخشش کے سہارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

(15)

زینبؑ کے لاڈلے

یہ کربلا کی جنگ یہ بچوں کے وَلوَلے　　آیا ہُوا ہے تیغ کا پانی گلے گلے
ڈوبے ہوئے ہیں شام کے لشکر میں منچلے　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

پیاسے بھی ہیں لہو میں نہائے ہوئے بھی ہیں　　کم عمر بھی ہیں جان لڑائے ہوئے بھی ہیں
مرتے ہیں اور موت پہ چھائے ہوئے بھی ہیں　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

جنگ آزما یہ راحتِ جاں ہوگئے ہیں کیا　　مانوسِ تیغ و تیر و سناں ہوگئے ہیں کیا
یہ برچھیوں میں آ کے جواں ہوگئے ہیں کیا　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

نیزوں کے وار لیتے ہیں سینوں پہ بے دھڑک　　تیغوں کی بجلیوں سے جھپکتی نہیں پلک
بچے ہیں موت سے ابھی کھیلیں گے دیر تک　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

تیروں سے غازیوں کے جگر ہیں چھنے ہوئے　　سر فخر سے بلند ہیں سینے تنے ہوئے
راہِ خدا میں دونوں ہیں دولہا بنے ہوئے　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

آقا کی بیکسی کا اَلم لے کے آئے ہیں　　　شاید حرم سرا میں بھی دَم لے کے آئے ہیں
ماں کی دعائیں شہؑ کے قدم لے کے آئے ہیں　　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے

زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

نکلے ہیں سر بکف یہ حسینیؑ سپاہ سے　　　سیدھا جناں کا عزم ہے اب رزم گاہ سے
آتے ہوئے شباب کو لے لیں گے راہ سے　　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے

زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

ماں چاہتی تھی جو وہی سامان ہوگئے　　　اکبرؑ سے پہلے رن میں یہ بے جان ہوگئے
ہم صورتِ رسولؐ پہ قربان ہوگئے　　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے

زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

اے نجم منہ نہ پھیریں گے اُمیدوار سے　　　ہوں گے سفارشی یہ شہِؑ ذی وقار سے
ماموں کے مداح خواں کو بچالیں گے نار سے　　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے

زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

(16)

شبابِ کربلا

علیؑ کے لاڈلے سرورِ ریاضِ مصطفیؐ قاسمؑ　　　سکونِ دل حسنؑ کے فاطمہؑ کے دلربا قاسمؑ

حسینِؑ آلِ ہاشم سیّدِ گلگوں قبا قاسمؑ

شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ

فقط کُرتا پہن کر جنگ کے میداں میں آجانا　　　عطش میں لبِ تیغ و تبر سے تسکین پا جانا

یہ تیری ہمتیں یہ حوصلے یہ ولولہ قاسمؑ

شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ

یہ کیسی خوں کی دھاریں ہیں جنہیں سہرا سمجھتی ہے   یہ کیسے زخم ہیں دنیا تجھے دولہا سمجھتی ہے
سجی ہے کیا ترے تن پر شہادت کی قبا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
یہ کیسا دن تری شادی کا کیسی رات ٹھہری تھی   عروسِ مرگ سے کب مرنے والے بات ٹھہری تھی
ترا عہدِ جوانی تھا ترا عہدِ وفا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
دہم کی شب کو جب لاشہ پہ ترے چاندنی پھیلی   اسیرانِ بلا میں اور بھی افسردگی پھیلی
خبر ہے کس کا کس کا دل تڑپ کر رہ گیا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
سُنا ہے لشکرِ اعدا کی بدحالی کا افسانہ   قیامت خیز ہے پر تیری پامالی کا افسانہ
نہ جانے تونے کی تھی کس قیامت کی دعا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
ترا دل جلوہ گاہِ ناز ارمانِ شہادت کا   ترا ایک اِک نفس دمساز ارمانِ شہادت کا
تیرا خونبار پیکر نقشِ تسلیم و رضا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
نشاط و عیش تھی گھر بھر کا خوشبو تیرے گیسو کی   سکوں ہوتی دلِ مادر کا خوشبو تیرے گیسو کی
گئی ہوگی نہ زنداں تک یہ مقتل کی ہوا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
نگاہوں میں وہ تیری منظرِ بیداد کیا ہوگا   کلیجہ باپ کا ٹکڑے ہُوا تھا یاد کیا ہوگا
فلک نے آج ماں کا دل بھی ٹکڑے کر دیا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
مسلمانانِ عالم کو محرم بھر رُلاتی ہے   تیرے شاعر کو تیرے تجم کو اکثر رُلاتی ہے
یہ تیری کمسنی یہ جان دینے کی ادا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ

حسینؑ جوان

رونقِ دشتِ نینوا قاسمؑ جانِ زہراؑ کے دلربا قاسمؑ
اے شہیدِ رہِ وفا قاسمؑ یہ نیا ظلم ہوگیا قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

کیا اسی وقت موت آنی تھی اَدھ کِھلا پھول زندگانی تھی
کچھ لڑکپن تھا کچھ جوانی تھی اے جواں مرگ خوش ادا قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

حُسنِ صورت پہ دو جہاں صدقے تیکھی چتون پہ بجلیاں صدقے
موت پر عمرِ جاوداں صدقے جس نے دولہا بنا دیا قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

جان دینے وطن سے آئے تھے فکرِ رخصت میں سر جھکائے تھے
کیا سفارش پدر کی لائے تھے اِذن کس طرح مل گیا قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

شۂ مسموم کے دُلارے ہو مادرِ غم زدہ کے پیارے ہو
بیوگی کے تمہیں سہارے ہو ماں سے کیونکر ملی رضا قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

جادۂ شش جہات کانپ گیا کاروانِ حیات کانپ گیا
عرصۂ حیات کانپ گیا پھول سا جسم یہ جفا قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

یوں صداقت پہ جان کھوتے ہیں آج تک حق پرست روتے ہیں

سچ ہے شیروں کے شیر ہوتے ہیں   یہ سن و سال یہ وغا قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

سر فروشی کی شان کیا کہنا   ہاشمی آن بان کیا کہنا
اے حسینیؑ جوان کیا کہنا   راحتِ جانِ مجتبیٰؑ قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

طفلِ گلگوں قبا سلام علیک   مردِ جنگ آزما سلام علیک
وارثِ لا فتیٰ سلام علیک   نجمؔ اس شان پہ فدا قاسمؑ
ہائے پامالِ کربلا قاسمؑ

(18)

پریم پنتھی

پریم نگر کا پنتھی قاسمؑ موت سے بیاہ رچائے گیا   ہنسی خوشی کا جانا ٹھہرا دولہا بن کر آئے گیا
رتھ ما لہو کی دھاریں تھیں اُس گورے گورے مکھڑے پر   اس سج دھج پہ کسی کی لاگی نجر یہی سہرا بدھی کھائے گیا
اِک باغ کھلا تھا کربل بن میں یثرب والے مالی کا   کچھ سوکھ گیا بن پانی کے کچھ گھام پڑی مُرجھائے گیا
شبیرؑ کے تن کی بستی میں شبیرؑ کا من کیا ہیرا تھا   اس دیپ کی لَو بڑھتی ہی رہی آنکھوں میں اندھیرا چھائے گیا
سنتے ہیں کہ دھرتی کانپ گئی تلوار وہ کی تلوارے نے   جو بھور سے لیکر سانجھ تک لاشیں ہی اُٹھا کر لائے گیا
کیا تیروں کی بوچھاروں میں اُپدیش کی میٹھی باتیں تھیں   سب اپنے لہو کے پیاسوں پر وہ اَمرت جَل برسائے گیا
سنسار کو سَت کی شکتی سے گھربار لٹا کر موہ لیا   سودا ہے ذرا اِک جوکھم کا جو کھوئے گیا سو پائے گیا
اصغرؑ پہ بھی کیسی بپتا تھی جھولے میں دُکھی دھرتی میں سُکھی   ماں باپ نے مکھ سے آہ نہ کی ماں باپ کو کیا سمجھائے گیا
پیاسوں کے انیلے سَتے نے اِک آگ لگا دی جنگل میں   خیمہ سے نکل کر دریا تک اِک بجلی سی لہرائے گیا
سب شام کی سینا سکتہ میں اکبرؑ کے انوپ روپ سے تھی   جیسے کہ نبیؐ پرلوک سے پھر قرآن سنانے آئے گیا
اب جا کے ہمالہ پربت سے لَے ماتم کی ٹکراتی ہے   اُس دیش کی نجمیؔ دُور بلا جس دیس پہ یہ غم چھائے گیا

بہشتی

کربلا میں شانِ عباسؑ دِلاور دیکھنا　　خون میں ڈوبی ہوئی تصویرِ حیدرؑ دیکھنا
شیر سے بِپھرے ہوئے جاتے ہیں دریا کی طرف　　دوش پر بکھری ہوئی زلفِ معنبر دیکھنا
چشمِ خوں آلود میں اشکِ سکینہؑ کی تری　　لعل لب پر خشکی لب ہائے اصغرؑ دیکھنا
نبض کی رفتار زینبؑ کا مسلسل اضطراب　　دل کی دھڑکن جنبشِ گیسوئے اکبرؑ دیکھنا
چہرۂ پُرنور پر زردی رُخِ سجادؑ کی　　چینِ ابرو میں غمِ سبطِ پیمبر دیکھنا
دوش پر اسلام کی عزت نشانِ فوجِ حق　　مشک اِک سوکھی ہوئی دِل کے برابر دیکھنا
راہ کرلی خون کے دریا کا سینہ چیر کر　　ایک ہی ہلّہ میں نہرِ علقمہ پر دیکھنا
مشک بھر کر نہر سے باہر نکلنا تشنہ لب　　خیمۂ شبیرؑ کی جانب وہ مُڑکر دیکھنا
دیکھ کر چہرے تصوّر میں وہ مُرجھائے ہوئے　　دُور تک پھیلی ہوئی پانی کی چادر دیکھنا
ہر طرف سے ہٹ کے وہ مشکِ سکینہؑ پر نظر　　یہ امانت دیکھ کر یلغارِ لشکر دیکھنا
تیر پڑنا بیکسوں کی آخری اُمید پر　　خون سا بہتا ہوا پانی زمیں پر دیکھنا
یک بیک دنیا بدل جانا امید و بیم کی　　اپنے بازو دیکھنا قاتل کا خنجر دیکھنا

نجمِ وہ جانِ وفا ہے ہے وہ ایمانِ وفا
یہ علم آتا ہے کس کے خون میں تر دیکھنا

علمدارؑ

اے جان و دلِ حیدرِؑ کرار علمدارؑ زندہ ہیں جہاں میں ترے آثار علمدارؑ
مشک اور عَلم اب بھی ہیں خونبار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
لہریں ابھی لیتا ہے فضا میں ترا پرچم پرچم سے نمایاں ہے وفا کا تیری عالم
بھولے گی نہ دنیا ترا ایثار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
دریائے محبت میں رواں ہے تری کشتی بچے تری تقلید میں بنتے ہیں بہشتی
ظاہر ہے سکینہؑ سے تھا جو پیار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
دریا پہ رہا یاد محبت کا قرینا وہ پیاس میں دو روز کی پانی کا نہ پینا
یاد آتی ہے یہ منزلِ دشوار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
کیا سینہ سپر مشکِ سکینہؑ کا رہا تو اِک تیر نہ آنے دیا جب تک رہے بازو
اس شان سے چمکی تیری تلوار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
پانی سے تسلّی کے لیے وقت نہ کھویا پینے کا تو کیا ذکر ہے منہ بھی نہیں دھویا
اے صلِ علیؑ آئینہ رخسار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
تجھ سے ہی سکینہؑ کو تھا پانی کا سہارا کیا جانئے کس درد سے تھا اُس نے پکارا
اے لشکرِ شبیرؑ کے جرار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ

کس شان سے بابا کا عَلَم تو نے اُٹھایا ہمت نے تجھے زندۂ جاوید بنایا
راس آیا ہے کیا منصبِ کرّار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
تیور پہ فدا تشنہ دہانی پہ تصدق ملّت کے جواں تیری جوانی پہ تصدق
سب تیری محبت میں ہیں سرشار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
صدیوں سے ہیں کاندھے پہ عَلَم تیرا اُٹھائے ہاں اِک نگہِ لطفِ یداللہ کے جائے
ہمت ہے دِلوں میں تیری درکار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ

(21)

عَلَم اور علمدارؑ

کیا قیامت ہے یہ کیا منظر دکھاتا ہے عَلَم لے گیا تھا کون واپس کون لاتا ہے عَلَم
دستِ اکبرؑ میں ہے پھر بھی تھرتھراتا ہے عَلَم
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم
دامنِ ساحل سے خونی ابر اُٹھا ہے دیکھنا خون دریا سے برستا آرہا ہے دیکھنا
وسوسہ ہے وہم ہے آخر یہ کیا ہے دیکھنا
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم
خون آنکھیں ہوگئیں یا ساری دنیا خون ہے یا الٰہی سبز پرچم پر یہ کیسا خون ہے
اے لبِ ساحل بتا کیا موجِ دریا خون ہے
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

سبز پرچم سے بہارِ جاوداں لپٹی ہوئی مشک خالی تشنگی کی نوحہ خواں لپٹی ہوئی
تیر کچھ پیوست کچھ مایوسیاں لپٹی ہوئی
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

جو اسی دن کے لیے اب تک جیا تھا کیا ہُوا گھاٹ پر سقراؤ جس نے کردیا تھا کیا ہُوا
جس نے دریا پر ابھی قبضہ کیا تھا کیا ہوا
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

لشکرِ دشمن کو جس نے روند ڈالا ہے کہاں ہاتھ کٹوا کر عَلَم جس نے سنبھالا ہے کہاں
مشک دانتوں میں دبا کر آنے والا ہے کہاں
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

خیمۂ اقدس میں بچے بے سہارے رہ گئے ڈوب کر سب کی امیدوں کے ستارے رہ گئے
تم علمدارِ جری دریا کنارے رہ گئے
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

اب کوئی امید کشتی کھے رہی ہے یا نہیں قلب کو تسکیں ترائی دے رہی ہے یا نہیں
علقمہ کی نہر لہریں لے رہی ہے یا نہیں
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

دیر سے پیاری سکینہؑ کو گِلا پانی کا ہے منتظر ہر طفل اے جانِ وفا پانی کا ہے
کیا کہیں گے جن کے دل کو آسرا پانی کا ہے
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

بیکسوں کو خوں بھری صورت دکھائے یا نہیں درد و غم کا اور اک طوفاں اٹھائے یا نہیں
یہ تو کہہ دیجے عَلَم خیمے میں جائے یا نہیں
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

مرثیہ ہمت فزا ہے اِس عَلَم کے حال کا   رہ گیا ہے یہ نشاں اسلام کے اجلال کا

یہ عَلَم ہے اے مسلماں مصطفےٰؐ کی آل کا

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

یہ مداوا ہے تری ہمت کی خامی کے لیے   فرش کر آنکھیں صداقت کے پیامی کے لیے

حریت ہوتی ہے خم اس کی سلامی کے لیے

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

یہ ہے جانبازوں کا پرچم اے جواں تکریم کر   دست بر دل فرش سے مجلس کے اُٹھ تعظیم کر

اے نگاہِ مردِ حق آشنا تسلیم کر

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے عَلَم

(22)

شبیہ پیمبرؐ

تھا موت کا تقاضا اکبرؑ کو زندگانی   اسلام پر منادی بھر پور نوجوانی

دریا تھا سامنے اور لہرا رہا تھا پانی   یہ اپنے خونِ دل کی دیکھا کیے روانی

کیا قدر ہو رہی تھی تصویرِ مصطفیٰؐ کی   تیروں کی تھی نوازش تیغوں کی مہربانی

اسلام مہماں تھا اور میزباں مسلماں   لیکن بدل گیا تھا آئین میزبانی

پھونکا عطش نے سینہ برچھی نے دل کو توڑا   رحمت نے سر پہ رکھا دیہیم کامرانی

ساعت وہ نزع کی وہ رعنائیوں کا عالم   کیا رُوح بھر رہی تھی نیزہ کی جانفشانی

صابر کے لال تجھے پر یاد آ گئی ہو شاید   خیمہ سے وقتِ رُخصتِ مادر کی بے زبانی

اٹھارہویں برس ہی یوسف کفن میں آیا   کنعانِ مصطفیٰؐ کی پُر درد ہے کہانی

لاکھوں سلام تجھ پر اے رُوحِ تشنہ کامی   پانی کی کیا حقیقت زیرِ قدم تھا پانی

ہم تیرے غم میں نالاں ہیں دُور کربلا ہے   غمگیں دلوں میں آجا اے نُورِ لا مکانی

میں مجسم ایک ذرّہ ہوں تیری رہگذر کا   شاعر ہوں تیرے در کا اے عرشِ آشیانی

علی اکبرؑ

ہوئے پیدا تو صورت دیکھنے ہر شیخ و شاب آیا　　جوانی ان پہ کیا آئی مدینہ کا شباب آیا
مگر جب کربلا کے دشت میں یہ ماہتاب آیا　　فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی

تجھے تو یاد ہی ہوں گے وہ لہرائے ہوئے گیسو　　وغا میں ماں کی شفقت یاد دِلواتے ہوئے گیسو
کلیجے میں سناں ابرو پہ بَل کھاتے ہوئے گیسو　　فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی

سُنا ہے چاند سے سینہ پہ برچھی جنگ میں کھائی　　یہ منظر لے گیا شبیرؑ کی آنکھوں سے بینائی
تعجب کیا اگر خیمہ سے شہزادی نکل آئی　　فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی

اُٹھا کر لاش لایا فاطمہؑ کا ماہ رُو کیونکر　　خدا آگاہ ہے سونگھی گئی زلفوں کی بُو کیونکر
نہ جانے باپ نے چہرہ سے پونچھا تھا لہو کیونکر　　فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی

سنا کس دشمنِ اسلام کی پہنچی تھی سینے تک　　نگاہوں میں محمدؐ جی رہے تھے ان کے جینے تک
خبر یہ کربلا کے بن سے پہنچے گی مدینے تک　　فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی

نکل آئے صفوں میں گھر کے قوت آزمائی تھی　　سوال آب کیسا باپ کو صورت دکھائی تھی
کہ ان پیاسی رگوں میں ہاشمی خوں تھا جوانی تھی　　فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی

سماتا کیا نگاہوں میں یزیدی فوج کا ریلا　　لڑا کیا کیا خدا کے دشمنوں سے موت سے کھیلا
دُلارا خواہرِ شبیرؑ کا بانوؑ کا البیلا　　فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی

کڑیل جوان

کیا سخت ماجرا ہے کہانی حسینؑ کی ‏ ‏ ‏ ‏ بے وقت کیا مٹی ہے نشانی حسینؑ کی
اکبرؑ کا تھا شباب جوانی حسینؑ کی ‏ ‏ ‏ ‏ اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

سردارِ انبیاؐ کی شباہت جوان تھی ‏ ‏ ‏ ‏ حق کا غرور دین کی غیرت جوان تھی
ایسی جوانیوں سے شریعت جوان تھی ‏ ‏ ‏ ‏ اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

یہ دین سے لگاؤ یہ دنیا سے بے دلی ‏ ‏ ‏ ‏ برچھی وغا میں آکے کلیجے سے جب ملی
کیا آن بان تھی کہ پلک بھی نہیں ہلی ‏ ‏ ‏ ‏ اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

کیا تین دن کی پیاس میں تیور دکھا گئے ‏ ‏ ‏ ‏ دنیا کے نوجوانوں کی ہمت بڑھا گئے
پھولوں میں پَل رہے تھے سنانوں میں آگئے ‏ ‏ ‏ ‏ اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

دیکھی یہ موت عالم امکاں نے کس طرح ‏ ‏ ‏ ‏ یہ داغ اُٹھالیا شہِؑ ذیشاں نے کس طرح
دولہا بنا کے بھیج دیا ماں نے کس طرح ‏ ‏ ‏ ‏ اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

رخصت کے وقت بانوئے شبیرؑ چُپ رہیں ‏ ‏ ‏ ‏ بہنیں غریب صورتِ تصویر چپ رہیں

سب ایک سمت زینبؑ دلگیر چپ رہیں　　اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

مانا کہ صبر و شکر کا دل میں وفور تھا　　بچے کا غم نہ ہو یہ محبت سے دور تھا

مادر کو ان کے بیاہ کا ارماں ضرور تھا　　اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

کیوں زندگی کے لب پہ شکایت نہ آگئی　　ہنگامِ نزع موت کو غیرت نہ آگئی

موت آئی تھی جب ان کو قیامت نہ آگئی　　اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

یہ شیر تھا امام جوانانِ قوم کا　　کیسا کیا ہے نام جوانانِ قوم کا

کہہ دے ذرا سلام جوانانِ قوم کا　　اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

(26)

حسینؑ سیوا

اکبرؑ کو سکارے مرا تھا دھن موت کی سگری رات رہی　　ماں سیس لگائے چھاتی سے بالوں کی لٹیں سُلجھات رہی

سب دل کی سوبھا ساتھ چلی جب دیس سے یہ پردیس چلے　　پردیس سے جب پرلوک گئے سنسار کی سوبھا جات رہی

جی دیکھے یہ سوُر گیاش ہوئے کوفہ کے ادھرمی ماش ہوئے　　شبیرؑ کا بالا بول رہا اسلام کی اونچی بات رہی

سانچے ہی رہے جو سانچے تھے یاں سانچ کو کوئی آنچ نہیں　　دشمن ہی کو سب نے دوش دیا اور ان کے لیے صلوٰت رہی

پیاسے ہی لڑے پیاسے ہی مرے اک بوند نہ پائی پانی کی　　ساوت وہیں پر کھیت رہے تیروں کی جہاں برسات رہی

ایشر کی دیا لہرائے گئی آکاش کی بانی آئے گی　　دُکھ درد کی جتنی دھوپ بڑھی سنتوش کی بدلی چھات رہی

قاتل کو پلا کر دودھ گئے ایسے بھی دیالو ہوتے ہیں　　دنیا یہ اُسی کے کُنبے کو پانی کے لیے ترسات رہی

اصغرؑ کے گلے پر تیر لگا جل مانگت بن میں سوئے گئے　　دُکھیاری ماتا آشا میں من جھولے سے بہلات رہی

کربل میں علیؑ کی پُتری نے یوں رین گزاری دسویں کی　　کس ٹھاٹ سے لڑکے مرتے ہیں ہر بالک کو سمجھات رہی

اب راجا پرجا چوکھٹ پر سب سیس نوائے بیٹھے ہیں　　جب چھوڑ کے دنیا دین لیا دنیا بھی انہیں کے ہاتھ رہی

جب آئے حسینی سیوا میں سب ہندو مسلم ایک ہوئے
مل جائیں گے نجمی دل بھی کبھی جب ان کی نجر پر بات رہی

(27)

ننّھا مجاہد

اے معرکۂ قوتِ اسلام کے جوہر　　چھ ماہ کی مدت میں قیامت کے برابر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

اے عالمِ اصغر میں نہاں عالمِ اکبرؑ　　اے غنچۂ سربند میں اک رُوحِ پیمبرؐ
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

مقصد تھا ولادت کا فقط کارِ شہادت   یہ بات ہوئی اور کسی کو نہ میسّر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

یکتا ہے تیری خون میں ڈوبی ہوئی تصویر   تاریخ دکھاتی نہیں ایسا کوئی منظر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

معلوم ہے کیوں خشک زباں تو نے دِکھائی   اے ساقیؑ کوثر کے جگر ساقیِ کوثر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

بابا کے سب انداز ہیں دادا کے طریقے   نیند آ گئی ریتی پہ نہ تکیہ ہے نہ چادر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

بے چین ہیں غربت پہ تیری چاند کی کرنیں   سو جائیں گی لاشہ تیرا آغوش میں لے کر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

الجھے ہوئے بالوں پہ فدا شامِ شبِ غم   ڈوبی ہوئی نبضوں پہ ستاروں کی نچھاور
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

ڈھلکی ہوئی گردن پہ یداللہ کے بوسے   سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تصدق لبِ کوثر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

پتون میں چھپائے ہوئے اکبرؑ کی جوانی   مُٹھی میں دبائے ہوئے سجادؑ کے جوہر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

آنکھوں میں جھلکتا ہوا معصوم تبسم   گردن سے ٹپکتا ہوا خونِ دلِ مادر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

تاحشر بُجھے گی نہ کبھی شمعِ حقیقت   لَو دے گئے ایسی تیرے بُجھتے ہوئے تیور
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

تاریخ میں ہے سب تیرا بچپن کا سلیقہ   تو موت کی آغوش میں آیا تھا ہمک کر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

جس وقت ہوئی مہر تیرے زخمِ گلو کی   پُورا ہُوا شبیرؑ کے ایثار کا دفتر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

آرام سے سو اے شبِ عاشور کے جاگے　　لوری تجھے دیتا ہے تیرا مجمِ سخنور
نھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

(28)

گود کا مسافر

اے غم کے راحتِ جاں اے دردِ دل کے پالے　　انسان تیرے غم میں کس طرح دِل سنبھالے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
بے دودھ ہی سلایا آغوشِ کربلا نے　　دو دن کی تشنگی میں اے تیر کے نشانے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
اس کم سِنی میں ایسی انسانیت پناہی　　کیا کام کرگیا ہے بے تیغ کے سپاہی
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
رَن کی رضا بھی لے لی کیسے تھے یہ اشارے　　ایسے کہیں نہ دیکھے ماں باپ کے دُلارے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
بستر ہے کیوں زمیں پر سوچا ہے کیا یہ جی میں　　کیا نیند آگئی ہے جنگل کی چاندنی میں
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
تو نے بھی مثلِ اکبرؑ منہ زندگی سے پھیرا　　اے چاند اب تو بالکل خیمہ میں ہے اندھیرا
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
تو مسکرا کے رن میں جب خوں اُگل رہا تھا　　کیا ماں کی مامتا کا ارماں نکل رہا تھا
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
یہ تیری بے زبانی اور یہ پیام اصغرؑ　　کرتا ہے عصرِ حاضر تجھ کو سلام اصغرؑ
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے

روتی ہے قوم اب تک وہ کشتۂ ستم ہے   ہر گھر میں تیرا جھولا ہر دل میں تیرا غم ہے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
بے شیر تیرے غم میں سب جان کھو رہے ہیں   مائیں بھی رو رہی ہیں بچے بھی رو رہے ہیں
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
یہ تجم تیرا شاعر دردِ نہاں کے صدقے   دل کو زباں بنا دے سوکھی زباں کے صدقے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے

(29)

ننھا سپاہی

غربت کا بیکسی کا بادل سا چھا رہا ہے   سب کٹ گئے مجاہد خیموں میں کیا رہا ہے
ننھا سا اِک سپاہی گودی میں آ رہا ہے
خود داریوں سے لب پر آہیں ٹھہر گئی ہیں   رُک رُک گئی ہیں سانسیں نبضیں ٹھہر گئی ہیں
ٹھہرا ہوا وہ جھولا کیا دل ہلا رہا ہے
کیسی لٹی ہے بستی کیسی مٹی ہیں جانیں   کیا شکر کر رہی ہیں سوکھی ہوئی زبانیں
کیا صبر بڑھ رہا ہے کیا ضبط چھا رہا ہے
سترّ کی موت دیکھو اور دوپہر کو دیکھو   اصغرؑ کے سن کو دیکھو اُس کے جگر کو دیکھو
جو دشتِ کربلا میں دولت لٹا رہا ہے
ایسے کہیں سپاہی دیکھے نہیں انیلے   ماں کی طرف سے کوئی رُخ کی بلائیں لے لے
پہلے پہل مجاہد میداں کو جا رہا ہے
ماتھے پہ ہے پسینہ زلفیں بکھر رہی ہیں   سورج کی گرم کرنیں صدقے اُتر رہی ہیں
اللہ گُل سا چہرہ کیا تمتما رہا ہے

نازک طبیعتوں کو بس ہے ذراسی آہٹ بے چین پھر نہ کردے تیروں کی سنساہٹ
آغوش میں پدر کی تسکین پا رہا ہے

یہ زندگی کی پہلی کروٹ ہے راس آئے شبیرؑ لا رہے ہیں گھر سے گلے لگائے
اور موت کا فرشتہ آنکھیں دکھا رہا ہے

ننھا سا یہ مسافر دیکھو رہِ رضا کا تاریخ اسی کو فاتح لکھے گی کربلا کا
جھولے کو چھوڑ کر جو مقتل کو جا رہا ہے

سارے جہاں سے کہہ دو کون و مکاں سے کہہ دو یہ روحِ کارواں ہے ہر کارواں سے کہہ دو
پیاسا ہے تین دن کا اور تیر کھا رہا ہے

یہ تشنگی یہ پیکاں یہ سن یہ بے زبانی لائے گی رنگ اک دن اسلام کی کہانی
خونِ گلو سے اپنے رنگیں بنا رہا ہے

سجّاد کی شباہت اکبرؑ کی شان ہوتا اے موت کاش ایسا بچہ جوان ہوتا
دو دن کی زندگی میں تیور دکھا رہا ہے

مجلس میں ہوش کس کو اے نجم جان و تن کا اُترا ہوا وہ چہرہ ڈھلکا ہوا وہ منکا
اب تک دلوں پہ غم کی بجلی گرا رہا ہے

(30)

عزّتِ اسلام

جنگ میں بچوں کو شاہِ کربلا لے جائیں گے دیکھنا کس شان سے یہ مرنے والے جائیں گے
غل ہے فوجِ شام میں عباسؑ کو پانی نہ دو ان کے تیور کہتے ہیں دریا اُٹھا لے جائیں گے
راہِ حق میں اپنا سارا گھر لٹا دیں گے حسینؑ نوجواں جب مر چکیں گے گود والے جائیں گے
یہ نہ سمجھو ساری دولت نذرِ مولا کر چکے یہ ابھی اصغرؑ کو جھولے سے اُٹھا لے جائیں گے

جنگِ اکبرؑ دیکھ لی اَب صبرِ عابدؑ دیکھنا　　　پا پیادہ شام تک اہلِ جفا لے جائیں گے
قوّتِ باطل کے آگے سر یہ جھکنے کا نہیں　　　دوہرے دوہرے طوق بھی گردن میں ڈالے جائیں گے
خود زمانہ چیخ اُٹھے گا ضبط پر سجّاد کے　　　یہ سہے جائیں گے ظلم اور بات ٹالے جائیں گے
یہ کمالِ صبر کی حد سے بھی نکلیں گے بلند　　　وہ بنائے جور کو تا انتہا لے جائیں گے
برچھیوں پر سر ہیں مظلوموں کے اونٹوں پر حرم　　　بستی بستی میں یہ ظالم کربلا لے جائیں گے
عزّتِ اسلام رکھ دیں گے تہِ تختِ یزید　　　طشت میں شبیرؑ کا سر بے وفا لے جائیں گے
جذبۂ مسلم میں قوّت ہے غمِ شبیرؑ سے　　　حشر تک یہ سلسلہ ہم بَرمَلا لے جائیں گے
خلق میں جب ہوگا ظاہر ورثہ دارِ کربلا　　　داغِ ماتم نذر کو اہلِ وفا لے جائیں گے
نجم اُڑ اُڑ کر ہماری خاک کے ذرّے ہمیں　　　یا نجف لے جائیں گے یا کربلا لے جائیں گے

(31)

آخری جاں نثار

کعبہ میں جب بلند ہوئی عصر کی اذاں　　　گھوڑے سے کربلا میں گرے شاہِ انس وجاں
تنہا تھا ریگِ گرم پہ زہراؑ کا نازنیں　　　تلواروں کے ہجوم میں نیزوں کے درمیاں
سجدہ کو جمع کرتا ہوا کربلا کی خاک　　　ہونٹوں پہ پھیرتا ہُوا سوکھی ہوئی زبان
ہر شے پہ اختیار سے مقصودِ کائنات　　　زخموں کے اعتبار سے اِک زخم خونچکاں
پردہ اُٹھا کے خیمہ کا اِک طفلِ مہ جبین　　　ناگاہ قتل گاہ کی جانب ہُوا رواں
مظلومیِ حسینؑ کے عالم کو سوچیے　　　بچے بھی گھر کے ہوگئے مرنے کو نوجواں
مچلا ہُوا صغیرِ مجاہد نہ رُک سکا　　　خیمہ میں روکتی رہیں ہر چند بی بیاں
تفصیل کوئی دفترِ تاریخ میں نہیں　　　شاید کہا ہو ماں نے کہ خالق نگاہ باں
خطروں سے بے نیاز یہ چہرے سے آشکار　　　نصرت کو بیقرار یہ رفتار سے عیاں
مظلومِ کربلا کی طرف رُخ کیے ہوئے　　　معصوم دِل کا درد نگاہوں سے نوحہ خواں
زلفیں وہ رُخ پہ ماں کی مرادوں کا سلسلہ　　　کانوں میں منتوں کی وہ دُہری نشانیاں

زیرِ قدم تھا خاک کے ذروں کو اضطراب   ہلتے تھے گوشوارے لرزتا تھا آسماں
سولہ پہر کی پیاس میں اللہ رے آب و تاب   ریتی پہ عکسِ رُخ سے چمکتی تھیں بجلیاں
تھا کربلا میں موت کی دعوت پہ گامزن   کوفہ کے میزبانوں کا معصوم میہماں
پہنچا اور ایسے وقت میں پہنچا چچا کے پاس   نزدیک تھی حسینؑ کے اک تیغِ خونچکاں
معصوم نے اُٹھا دیئے گھبرا کے دونوں ہاتھ   کٹ کر گریں زمین پہ نازک کلائیاں
شبّر کا لعل ہائے چچا کہہ کے رہ گیا   سادات میں اک اور بڑھی غم کی داستاں
شبیرؑ لے کے گود میں سنبھلے نہ تھے ابھی   بچے کو ذبح کر گیا اک تیرِ جانستاں
خیمہ سے دیکھتی ہو جو مادر تو کیا عجب   اے وائے ارضِ کرب و بلا وائے آسماں

(32)

نَو مائیں

کِس کِس نے لٹادی رہِ مولا میں کمائی   ہاتھ آئے تھے کیا کیا گُلِ زہراؑ کو فدائی
نَو ماؤں نے دیکھی درِ خیمہ سے لڑائی   بچوں کو سفرِ خلق سے کرتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

اسلام پہ قربان تھی ایک ایک کی مادر   مٹتے ہوئے دیکھا نہ گیا دینِ پیمبرؐ
خود بھیج دیا جنگ کو ہتھیار سجا کر   سینوں سے سنانوں کو گزرتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

انصار میں کمسن تھا بہت ابنِ خبادہؓ   وہ کھیل کے دن اور وہ مرنے کا ارادہ
بیٹے سے بھی تھا ماں کو یہ ارمان زیادہ   دَمِ الفتِ شبیرؑ کا بھرتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

دلدوز ہے عبداللہؓ کلبی کا فسانہ   سنتے ہیں بدن میں ابھی جوڑا تھا شہانہ
شبیرؑ نے روکا تھا مگر ماں نے نہ مانا   ملبوسِ شہادت میں سنورتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

der\Graphic2 not found.

مسلم کے دل آرام نے کیا شان دکھائی　　بچہ نے لڑی ہے وہ قیامت کی لڑائی

ماں شوقِ زیارت میں درِ خیمہ پہ آئی　　دریائے شجاعت میں اُبھرتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

گلزارِ عقیلی کا گُل اندام محمدؑ　　بیوہ کا پسر شیرِ جری فخرِ اب و جد

واللہ مگر ماں کی شجاعت کی نہیں حد　　اس پھول سے چہرے کو اُترتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

وہ عونؑ و محمدؑ بنِ عبداللہ جعفرؑ　　بچے تھے مگر ماں نے کیا فدیہ اکبرؑ

بنتِ اسداللہ کے اللہ رے تیور　　زلفوں کو سرِ دوش بکھرتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

نیزہ وہ سنبھالے ہوئے پہنے ہوئے کُرتہ　　نعلین کا اڑہ کی وہ ٹوٹا ہُوا تسمہ

انداز یہ قاسمؑ کا یہ مادر کا کلیجا　　سرتا بقدم خون میں بھرتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

کیا زخم تھے کیا پیاس تھی کیا دھوپ کڑی تھی　　اور حق کی حمایت میں یہاں جان لڑی تھی

ماں اکبرؑ جرار کی ڈیوڑھی پہ کھڑی تھی　　برچھی کو کلیجہ میں اُترتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

وہ اصغرؑ بے شیر حسنؑ کا وہ گلِ تر　　جنت کو سدھارے جو لہو منہ سے اُگل کر

اُن ماؤں کا کیا حال ہوا ہوگا پسِ در　　بے جنگ کئے جی سے گزرتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

عالمِ تنہائی

مقتل میں غش ہیں شبیرؑ تنہا قاتل کھڑے ہیں خاموش یک جا
حیرت میں گردوں سکتہ میں صحرا ساکت ہیں موجیں ساکن ہے دریا
سورج کا چہرہ اُترا ہُوا ہے
مظلومیت کی اللہ رے ہیبت سہمے ہوئے ہیں اہل شقاوت
چھایا ہوا ہے نفسِ امامت بپھری ہوئی ہے رُوحِ جلالت
دنیا کا نقشہ بدلا ہوا ہے
خیمہ میں سب کی نظریں ہیں در پر دَم رُک گئے ہیں سینوں کے اندر
کیا ضبطِ غم ہے اللہ اکبر چپ رہ گئی ہے اصغرؑ کی مادر
اصغر کا جھولا ٹھہرا ہوا ہے
مظلوم شکلیں غمگیں نگاہیں امن و اماں کی مسدود راہیں
سوکھے گلے میں بچوں کی باہیں تھم تھم گئی ہیں ہونٹوں پہ آہیں
جو ہے وہ غم کا مارا ہوا ہے
تر ہے لہو میں سلطانِ عالی ملّت کا حاکم اُمّت کا والی
دُلدُل کا رَن میں ہے زین خالی خیمہ کی رونق کس نے اُٹھالی
مسند کا گوشہ اُلٹا ہُوا ہے
لشکر کہاں ہے شاہِ عرب کا حاضر ہے لاشہ تشنہ لب کا
خاکِ شفا پر بستر ہے سب کا اِک اِک مجاہد عشرہ کی شب کا
جاگا ہوا تھا سویا ہُوا ہے
تیروں سے زخمی تیغوں سے ٹکڑے سوئے ہوئے پر جاگے ہوئے سے

چتون کے قربان تیور کے صدقے اُٹھنے کے جیسے پھر ہیں ارادے
پھر جوشِ نصرت آیا ہُوا ہے
روکو قلم کو تھم سخوز ہے سر بسجدہ جانِ پیمبرؐ
نزدیک ہے اب قاتل کا خنجر درپر ہے زینبؑ مجبور مضطر
خیمہ کا پردہ اُٹھا ہوا ہے

(34)

بندۂ بے نیاز

زمیں کو زیرِ قدم آسماں بنائے ہوئے ہزار و نہ صد پنجاہ زخم کھائے ہوئے
حیات وموت کے مالک سے لولگائے ہوئے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
شجاع عصر کو زخمی سمجھ کے گھیرا ہے یہاں تو آپ ہی منہ زندگی سے پھیرا ہے
خدا کی شان ہے سورج تلے اندھیرا ہے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے
اُٹھا کے آنکھ جو دیکھیں تو دل دہل جائیں تمام عالمِ فانی کے ہل نکل جائیں
زمیں کا ذکر ہے کیا آسماں بھی ہل جائیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے
نگاہ دیکھ کے سکتہ میں رہ گئی گیتی وہ رعب ہے کہ ہوا سانس تک نہیں لیتی
فضائے کون و مکاں سے بلند ہے ریتی
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

خموش ہے لبِ ساحل زبانِ موج خموش　　خموش وسعتِ ہستی فلک کا اَوج خموش
زہے جلالِ امامت عدو کی فوج خموش
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

نظر میں فوج کا ریلا سا نہیں سکتا　　حریف تابِ نظر لا نہیں سکتا
چراغ مہر نگاہیں ملا نہیں سکتا
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

ملک حضور میں ہیں دستِ التجا باندھے　　سرِ نیاز جھکائے ہوئے پَرا باندھے
کھڑی ہے سامنے دستِ ادب قضا باندھے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

پئے سلام شریکِ رہِ رضا حاضر　　بقائے ظلِ الٰہی کو ماسوا حاضر
نگاہ روبرو ارواحِ انبیاؑ حاضر
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

مدد کے واسطے حاضر ہیں آسماں و زمین　　تمام قوّتِ ارض و سما ہے زیرِ نگیں
حسینؑ ہیں کہ اُدھر مڑ کے دیکھتے ہی نہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

فلک پہ شور ہے ناصر مدد کو حاضر ہے　　ہر ایک حامی و ناصر مدد کو حاضر ہے
تمام فوج عناصر مدد کو حاضر ہے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

طریقِ سطوتِ شاہنشہِ حجازی دیکھ　　شکوہ چارہ گری شانِ کارسازی دیکھ
خدا کی راہ میں بندہ کی بے نیازی دیکھ
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

نہ جانے راز میں کیا کیا پیام آئے ہیں　　درود کتنے مسافر کے نام آئے ہیں
فرازِ عرش سے کتنے سلام آئے ہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

بدن بھی سرد نہ ہوں گے ابھی دلیروں کے   یہ معرکے ہیں بہتر اجل کے پھیروں کے
پڑے ہیں سامنے لاشے جوان شیروں کے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
ابھی تو ننھی سی تُربت بنا کے بیٹھے ہیں   ابھی رباب کی دولت لٹا کے بیٹھے ہیں
ابھی صغیر کی میت اٹھاکے بیٹھے ہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے
کچھ اپنی بالی سکینہؑ کی ہے خبر کہ نہیں   وفورِ غم سے چھلکتی ہے چشمِ تر کہ نہیں
خدا کی یاد میں خیمہ پہ ہے نظر کہ نہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
کہاں ہیں ساتھ جو آیا تھا کارواں چونکے   علیؑ کے لال کا کوئی مزاج داں چونکے
تڑپ کے خوابِ اجل سے کوئی جواں چونکے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
ابھی تو چاہنے والے بہت تھے مولاؑ کے   حبیب لے گئے خیمہ میں کیوں نہ سمجھا کے
زہیر کیوں نہیں گرتے قدم یہ آقاؑ کے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
کدھر ہیں مسلمِ مظلوم کے نشاں رَن میں   مہک رہے ہیں گلِ جعفری کہاں رَن میں
یہ کیا ستم ہے قیامت ہے کیوں عیاں رن میں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
خبر نہیں کہ چچا پر یہ ظلم ہوتا ہے   زمانہ ہاتھ سے دولت نبیؐ کی کھوتا ہے
حسنؑ کا لعل کہاں قتل گہہ میں سوتا ہے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

کوئی صدا پئے تسکینِ تشنہ کام آئے　　کسی زباں پہ تو حق آشنا کلام آئے
فرات سے کوئی عباسؑ کا پیام آئے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

کہاں حضور کو فرصت جو کچھ ٹھہر جائیں　　لگن لگی ہے کہ سجدہ میں جلد تر جائیں
یہ وقتِ عصر ہے اکبرؑ سلام کر جائیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

نجف سے حیدرِؑ کرّار آنے والے ہیں　　سُنا ہے احمدِؐ مختار آنے والے ہیں
بہت حسینؑ کے غمخوار آنے والے ہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے

(35)

فاتح کربلا

حسینؑ قلبِ دو عالم بلائے جاتے ہیں　　کہ زیرِ تیغ ہیں اور مسکرائے جاتے ہیں
عروسِ مرگ ہے اکبرؑ کی منتظر رَن میں　　یہ خیمہ گاہ میں دولھا بنائے جاتے ہیں
حرم سے رُخصتِ شبیرؑ کیا قیامت ہے　　تڑپ کے سب درِ خیمہ تک آئے جاتے ہیں
حسینؑ نذر کو لائے ہیں لاشۂ اصغرؑ　　حریم ناز کے پردے اُٹھائے جاتے ہیں
سرِ حضور پہ کہتی ہے بیکسی اب تک　　خدا کی راہ میں یوں گھر لُٹائے جاتے ہیں
وہ مٹ رہے ہیں مرقعِ علیؑ کی صورت کے　　وہ درد بن کے دلوں میں سمائے جاتے ہیں
لٹا چکا تھا زمانہ بزعمِ خود جن کو　　وہ آج سارے زمانے پہ چھائے جاتے ہیں
انہیں کے نام پہ پانی پلایا جاتا ہے　　اُنہیں کے ذکر پہ آنسو بہائے جاتے ہیں

انھیں کی راہ میں دنیا لٹائی جاتی ہے　　اُنہیں کے غم میں دو عالم بھلائے جاتے ہیں
یہ حق کی فتح مبارک شہیدِ کرب و بلا　　کہ تیری خاک پہ سجدے کرائے جاتے ہیں
غمِ حسینؑ محبت کی زندگی ہے وہیں　　جہاں جہاں تیرے آثار پائے جاتے ہیں
غمِ حسینؑ میں روئیں گے تجمؔ جی بھر کے
کہیں یہ درد دلوں میں چھپائے جاتے ہیں

(36)

حسینؑ رضا کار

ذبح جب رن میں نبیؐ کی گود کا پالا ہوا　　جلوہ زارِ آب و گل میں حشر سا برپا ہوا
پیٹ کر سر خاک اُڑائی غیرتِ اسلام نے　　چھپ گیا سورج فضائے غم میں تھراتا ہوا
چرخ کانپا عرش کو جنبش ہوئی گیتی ہلی　　شورِ ماتم سے دِگرگوں دہر کا نقشا ہوا
شہؑ کے گرد و پیش تڑپے کشتۂ راہِ خدا　　اضطرابِ زندگی اِک لاش میں پیدا ہوا
دل کی تہ میں خون کے قطروں نے بدلیں کروٹیں　　موجِ طوفاں بن گیا سینہ میں دَم رکتا ہوا
موت کو آنکھیں دکھائیں زندگی کے جوش نے　　سو قدم پر رہ گیا پیکِ اجل سہما ہوا
زیست کی اِک لہر آئی خوابگاہِ مرگ میں　　چونک اُٹھا اِک سونے والا خون میں ڈوبا ہوا
تن پہ بے تعداد زخموں کی زرہ پہنے ہوئے　　جذبۂ نصرت کی بیتابی میں بَل کھاتا ہوا
دستِ رعشہ دار میں مضبوط خنجر کی گرفت　　زیر کرتا ضعف کو لغزش کو ٹھکراتا ہوا
تیر سا دل پر لگا آوازۂ قتلِ حسینؑ　　دشمنوں پر جا پڑا مثلِ اسد بپھرا ہوا
تجھ پہ صدقے رُوحِ ملّت اے سوید[1] ابن مطاع　　قوم میں تجھ سا مجاہد پھر کہاں پیدا ہوا
تیری ہمت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو تھم گئے　　ہوگیا پھر سُرخ دینِ حق کا منہ اُترا ہُوا
مرحبا دستِ قضا سے لے لیا جامِ حیات　　پھر نئے سر سے نثارِ سیّد والا ہوا
کوئی تیرے بعد اہلِ بیتؑ کا حامی نہ تھا　　پوچھنے والا نہ تھا اتنا بھی کوئی کیا ہوا

تیری آنکھیں بند تھیں اور سامنے خیمہ کے تھا — فاطمہؑ کے چاند کا برچھی پہ سَر رکھا ہوا
نیزۂ قاتل پہ گیسو خون میں ڈوبے ہوئے — بیکفن لاشہ غبارِ دشت کو سونپا ہوا
غرق خوشابِ خجالت وہ جبینِ کائنات — آبِ خنجر پی کے پیاسا میہماں سویا ہوا
شام کو اس خیمۂ اقدس سے شعلے تھے بلند — تو نے دیکھا تھا جو دن کو دھوپ میں جلتا ہوا
جسم تھا آزاد تیرا اے رضا کارِ حسینؑ — اور امامِ عصرؑ تھا زنجیر میں جکڑا ہوا
منتظر میدان میں بچے سراسیمہ حرم — پارہ پارہ ہو کے قرآں خاک پر بکھرا ہوا
ہر طرف سے دشمنِ انسانیت گھیرے ہوئے — قافلہ کا قافلہ اِک اِک کا منہ تکتا ہوا
خلق میں ہنگامۂ قتلِ حسینؑ ابن علیؑ — وہ لبِ فطرت پہ اِک اعلان تھراتا ہوا

کچھ نہ پوچھو تجمؔ اُس دم برہمی کونین کی
ذبح جب رن میں نبیؐ کی گود کا پالا ہوا

(37)

دُکھ کا ساگر

ڈوبی ہوئی دُکھ کے ساگر میں سورج کی سنہری تھالی تھی — اس چاند کی دس کو سانجھ تلک شبیرؑ سے دنیا خالی تھی
بابا ہی کے دم کے ساتھی تھے اکبرؑ بھی گئے اصغرؑ بھی گئے — تکنے کو رہی ایک ایک کا منہ چھاتی پہ جو سونے والی تھی
یوں جگ میں نہ لاگی آگ کہیں اس ڈھب سے نہ اجڑا باگ کہیں — سوکھی ہوئی پتی پتی تھی ٹوٹی ہوئی ڈالی ڈالی تھی
دو کھیت پرے جل بہتا تھا اور پھول اُوپر کملاتے تھے — دن نیر بہ سوکھے جاتے تھے اور چار طرف ہریالی تھی
حیدرؑ کے گھرانے والے سب سّتونت بھی تھے ساونت بھی تھے — تجھے ہی اُٹھالی بندوں نے مالک نے جو بپتا ڈالی تھی
سروزؑ پہ حسنؑ کی بدھوا نے دو چاند کے ٹکڑے وار دیئے — بچے تو جیالے تھے ہی مگر ماتا بھی بڑی دل والی تھی
کیا لُٹ کے گئے کربل سے حرم جب آئی ہیں سکھیا ملنے کو — جس مانگ کو دیکھا اُجڑی تھی جس گود کو دیکھا خالی تھی
سنسار کا چاہا اس نے بھلا کٹوا دیا کنبے بھر کا گلا — شبیرؑ کے مَن کے سانچے میں کرتار نے بھگتی ڈھالی تھی

مارے گئے رُت کی سیوا میں دھابا دے ایشر بھگتوں کو مکھڑوں پہ لہو کی سُرخی سے بڑھ چڑھ کے خوشی کی لالی تھی

یہ جی سے گزرنے والے تھے یہ بات پہ مرنے والے تھے کب موت سے ڈرنے والے تھے سو بار کی دیکھی بھالی تھی

نجمی یہ حسینی چوکھٹ ہے یاں آ کے مرادیں ملتی ہیں

اس دوار سے بھکشا لے کے چلے آئے تھے تو جھولی خالی تھی

(38)

اسلام کا سلام

اے رئیسِ دوسَرا تجھ پر سلام اسلام کا
اے غریبِ نینوا تجھ پر سلام اسلام کا

یہ تیرا عہدِ ضعیفی یہ جواں تیور جہاد
ورثہ دارِ لافتا تجھ پر سلام اسلام کا

حریّت کی روح بھر دی پیکرِ اسلام میں
مالکِ سیف ولوا تجھ پر سلام اسلام کا

کوئی پھر تجھ سا نہ دیکھا آشنائے دردِ دل
اے دلِ درد آشنا تجھ پر سلام اسلام کا

کیا اسی دن کے لیے پالا تھا چکی پیس کر
فاطمہؑ کے دل رُبا تجھ پر سلام اسلام کا

زخم اتنے جسمِ نازک پر اور اتنے داغِ دل
کشتۂ جَور و جفا تجھ پر سلام اسلام کا

نیزہ و خنجر کے سینہ پر وہ تیرا اعلانِ حق
جانشینِ مرتضیٰ تجھ پر سلام اسلام کا

دشتِ خونیں تیری منزل راہِ آزادی سفر
کاروانِ کربلا تجھ پر سلام اسلام کا

حاملِ مشکِ سکینہؑ فاتحِ نہرِ فرات
تشنہ لب جانِ وفا تجھ پر سلام اسلام کا

اے کہ زخموں نے ترے دولہا بنایا تھا تجھے
قاسمِ گلگوں قبا تجھ پر سلام اسلام کا

تیر کھا کر مسکرایا جو پدر کی گود میں
بے زبان و بے خطا تجھ پر سلام اسلام کا

اے کہ صبر و ضبط کی آیاتِ محکم تجھ میں تھیں
فاطمی دولت سرا تجھ پر سلام اسلام کا

آگ دے دی جس میں دنیا نے جسے لوٹا گیا
چشمۂ عرش انتہا تجھ پر سلام اسلام کا

تیرا غم تیری محبت مجسم کا اسلام ہے

اے شہیدِ کربلا تجھ پر سلام اسلام کا

ذُوالجناح

اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار
تاریخ میں بہت فسانے رقم تیرے گہرے ہیں خاکِ دہر پہ نقشِ قدم تیرے
ہے چشمِ معرفت تری تشنہ لبی کا راز انسانیت کو ہے تیری حیوانیت پہ ناز
اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار
ساتھی شہیدِ ظلم کا راہِ خدا میں تھا تو پیش پیش معرکہٗ کربلا میں تھا
یوں جان دی حیات کا پیغام بن گیا منجملہٗ شعائرِ اسلام بن گیا
اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار
خدماتِ کربلا کے سبب کیا سے کیا ہُوا ایسا تو ہو رسولؐ کا تحفہ دیا ہُوا
اصطبل میں حسینؑ کے پلنا ہوا نصیب تجھ کو خدا کی راہ پہ چلنا ہُوا نصیب
اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار
تو بھی گیا ہر ایک غضنفر کی لاش پر قاسمؑ کی لاش پر علیؑ اکبر کی لاش پر
اصغرؑ کو لے کے جانبِ دشتِ ستم گیا راہِ خدا میں بچہ کا گہوارہ بن گیا
اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار
زخمی سوار تھم نہ سکا جب کہ زین پر آہستگی سے تو نے اُتارا زمین پر

پامال کرنے آیا جو لاشے کو تھم گیا	تُو شیر سا حسینؑ کے قدموں میں جم گیا

اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار

کی پہلے تونے مرثیہ خوانی حسینؑ کی	آیا حرم میں لے کے سُنانی حسینؑ کی
غمخوار اور کون تھا ایسا حسینؑ کا	تونے دیا غریبوں کو پُرسا حسینؑ کا

اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار

انساں کا ننگ ہے جو سبق آدمی نہ لے	مُردہ ہے قوم تجھ سے اگر زندگی نہ لے
کومشتِ خاک سے بھی ہے کم کائناتِ تجم	نقشِ قدم پہ تیرے تصدق حیاتِ تجم

اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار

(40)

شامِ عاشور

عاشور کی وہ شام وہ رَن بولتا ہُوا	غم کا وہ کائنات پہ پردہ پڑا ہُوا
سر اِس طرف حسینؑ کا نیزہ پہ جلوہ گر	مغرب میں آفتاب اُدھر ڈوبتا ہُوا
خیموں میں اشقیا کے چراغاں کا اہتمام	رَن میں چراغ قبرِ پیمبرؐ بُجھا ہُوا
ہر شیر دل عروسِ تمنا سے ہمکنار	لاشہ ہر اک شہید کا دولھا بنا ہُوا
تشنہ لبوں کے خون کی ندی چڑھی ہوئی	پانی لبِ فرات سے منہ پھیرتا ہُوا

صبرو رضا و شکر کی منزل میں زلزلے — رستہ میں کاروانِ محبت لُٹا ہُوا
غیرت سے نبض جادۂ ہستی میں اضطراب — تپتی زمیں حسینؑ کا لاشہ پڑا ہُوا
ایماں کی جان خاک پہ بے گورو بے کفن — انسانیت کا شرم سے چہرہ جھکا ہُوا
ٹھکرا کے خوابِ ناز میں سوئے ہُوئے حسینؑ — چشمِ جہاں سے پردۂ غفلت اُٹھا ہُوا
تہذیب لاشِ اصغرؑ ناداں پہ نوحہ گر — اخلاق کی نگاہ سے عالم گرا ہُوا
اُمت کی اہلبیتؑ سے بدلی ہوئی نگاہ — خلقِ عظیم غور سے منہ دیکھتا ہُوا
ریتی پہ سر جھکائے شہیدوں کے سوگوار — مختارِ کائنات کا خیمہ جلا ہُوا
ہمت یہ استوار کہ ہر لب پہ شکرِ حق — چہروں سے آشکار کہ ہر دل دکھا ہُوا

اس شام کے خیال سے دل کانپتا ہے نجمؔ
عاشور کی وہ شام وہ رَن بولتا ہُوا

(41)

کربلا سے کُوفہ

صبح دم سمٹا جو دامن شب کا پھیلایا ہوا — قیدیوں کو لے چلا کوفہ سے حکم آیا ہُوا
ذرّہ ذرّہ ہے زمینِ کربلا کا مضطرب — قافلہ خاموش ہے مقتل سے اُٹھوایا ہُوا
اک فضائے درد پیدا ہے سرِ شبیرؑ سے — نوکِ نیزہ پر ہے قرآں خوں میں نہلایا ہُوا
بے کجاوہ اونٹ اُس پر بے نقاب اہلِ حرم — چتونوں پر ہاشمی فطرت کا بَل آیا ہُوا
بستۂ زنجیرِ آہن خلق کا چوتھا امامؑ — قید میں تکلیفِ درد قید پر چھایا ہُوا
وہ سکینہؑ کا لڑکپن اور وہ کوشش ضبط کی — فرطِ غم سے چہرۂ معصوم سنولایا ہُوا
داخلہ اس شانِ مجبوری سے اُس کوفہ میں ہے — جو کبھی ان کی غلامی پر تھا اترایا ہُوا

ذہن میں ہوگا ابھی دیکھا ہوا ان کا عروج خون میں ہوگا ابھی ان کا نمک کھایا ہُوا
آج ان کے واسطے چشمِ تماشہ بن گئیں تھا جن آنکھوں میں غبارِ عاجزی چھایا ہُوا
اےخدائے شرم وغیرت کون سے گوشہ میں ہے جذبۂ غیرت مسلمانوں کا ٹھکرایا ہُوا
کوچہ و بازار و بام و در کو آنکھیں مل گئیں جیسے انسانوں کا اِک دریا ہو لہرایا ہُوا
نالہ و فریاد کا ذوقِ سماعت منتظر مستفیثانہ نگاہوں کا خیال آیا ہُوا
یک بہ یک اُٹھا فضا میں زینبؑ کبریٰ کا ہاتھ ہاتھ کا اُٹھنا کہ سناٹا سا تھا چھایا ہُوا
کربلا میں نذر دو بیٹے دیئے جس ہاتھ نے اس میں تھراہٹ کہاں مجمع ہے تھرایا ہُوا
ظلم وبدعت کی رسن جس ہاتھ کو جکڑے ہوئے دستِ قدرت کی طرح نفسوں پہ جو چھایا ہُوا
منتظر کانوں پہ اک الفاظ کی بجلی گری ہوش رخصت ہوگیا ذہنوں سے گھبرایا ہُوا
اس دہن میں تھی زباں گویا لسان اللہ کی حرف اِک اِک نقش تھا ارشاد فرمایا ہُوا
آلِ احمدؐ کی اسیری اپنی آزادی کا راز یوں سمجھ میں آگیا جیسے ہو سمجھایا ہُوا
چیر کر نفس اُن کا اُن کو اس طرح دکھلا دیا اپنی ہستی سے تھا اِک اِک فرد شرمایا ہُوا
گردنیں خم ہوگئیں آنکھوں میں آنسو آگئے ہر کلیجہ چاک ہر سینہ تھا برمایا ہُوا
بڑھ گیا وہ کارواں اور رہ گیا یہ قافلہ جیسے کوئی ذلت و نکبت کا ٹھکرایا ہُوا

(42)

کھیون ہارا

کربل بن سے چلے مسافر باجت کوچ نقارا ایک اک سیس انی پر چمکے جیسے تارا
سب سے لانبی برچھی پر وہ سیس حسینؑ سوامی کا بھرے پُرے سنسار میں جس کو بھوکا پیاسا مارا
ہر چڑیا بن کی رووت ہے، اندھیارے بن میں سوت ہے علیؑ نبیؐ کی گود کا پالا دھرم کا پالن ہارا

راکھ لئی پت صاحب کی گھر بار لُٹا کر سیوک نے　　　کیسا اُتّم کام ہے اُس کا نام ہے کیسا پیارا
سب تیر بھالا دوڑ پڑے جب موت پکاری پلّے سے　　　نربل بوڑھے کومل بالک کوئی نہ ہمت ہارا
سب سستا سودا سمجھے تھے کیا مہنگی جانیں بیچیں　　　اک اک بل نے سَت کے بل پر سو سو کو للکارا
پریم کی نیاّ ڈوب رہی تھی کیسی پار لگائی　　　اپنے لہو میں ڈوب کنارے لایا کھیون ہارا
جان گئے ہر دیسی ویسی جھوٹی سانچی مہما کو　　　ہارے کس کی جیت ہے کس کی مان گیو جگ سارا
ہنس ہنس دکھ کی کڑیاں جھیلیں جگ کو یہ اُپدیش دیا　　　اپنے دم کا آس بھروسہ مالک نام سہارا
نگری نگری دھوم مچی ہے واہ حسینا بابا کی　　　کربل بن میں دیا جلایو سارا جگت اُجیارا
پوجا پاٹ کسو کی ناہیں بپتا یاد دلاوت ہیں　　　سروڑ کا تابوت ہے دھری اصغرؑ کا گہوارا

اپنے کو جو چاہے نجمی اُس کو کون نہ چاہے
بھارت ماتا سوگ منا کر من ہرلیں ہمارا

(43)

دربارِ شام

پُردرد ہے دربارِ یزیدی کا نظارا　　　دربار جسے ظلم کے ہاتھوں نے سنوارا
آہوں سے اسیروں کے جہاں لطف کا سامان　　　اشکوں سے یتیموں کے جہاں عیش کا یارا
رسّی میں بندھی سامنے اولادِ پیمبرؐ　　　اور تختِ حکومت پہ یزیدِ ستم آرا
اُٹھتی ہوئی منظر پہ مسلمانوں کی نظریں　　　نظریں جنھیں اسلام کی توہین گوارا
پہنے ہوئے زنجیر وہ مطلوبِ دوعالم　　　زنجیر بھی لیتی ہوئی قدموں کا سہارا
ہم مرکزِ ایماں ہیں یہ تیور کی گواہی　　　ہم وارثِ قرآں ہیں یہ چتون کا اشارا
آیئنۂ رخسار پہ وہ گردِ یتیمی　　　چمکا ہوا وہ صبر کے جوہر کا ستارا

نظروں میں وہ پھرتی ہوئی اکبرؑ کی جوانی — سینہ میں وہ چبھتا ہوا اصغرؑ کا اشارا
دل میں وہ کسی لاشۂ بے سر کا تصوّر — آنکھوں سے وہ اک فرقِ مطہر کا نظارا
دینی تھی جو منظور اذیت پہ اذیت — حاکم نے کیا ایک مقرر کو اشارا
منبر پہ ہوئی مصحفِ ناطق کی جو تکذیب — لفظوں نے کیا اپنے معانی سے کنارا
کس یاس سے تب سیدِ سجادؑ نے پوچھا — کچھ ہم بھی کہیں تجھ کو جو سننا ہو گوارا
یہ صاحبِ منبر تھے مگر ہائے زمانہ — دیتا تھا اجازت نہ یزیدِ ستم آرا
کچھ بس نہ چلا دیکھ کے دربار کا نقشہ — حضار کا غل تھا کہ اجازت ہو خدارا
حلقہ سے اسیروں کے بڑھا درد کی صورت — زنجیر سنبھالے ہوئے شبیرؑ کا پیارا
بوسہ کیا جبریلؑ نے دامانِ قبا کا — خم ہو کے دیا عرش نے منبر کو سہارا
پیدا ہوئی الفاظ کی اک سیل زباں سے — یا کوثر و تسنیم کا چڑھتا ہوا دھارا
عنوان تھا وہ حمد کا وہ نعت کی ترتیب — وہ لحن کہ جس لحن نے قرآں کو سنوارا
سُن لو! میں علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ہوں — بیٹا میں خدیجہؑ کا ہوں زہراؑ کا دُلارا
مکہ کا فرزند ہوں فرزند منیٰ ہوں — پیغمبرِ اسلام کے فرزند کا پیارا
جو صاحبِ معراج ہے میں اس کا خلف ہوں — جس کے لیے اللہ نے قرآن اُتارا
بیٹا ہوں امام ابنِ امامِ دوجہاں کا — اک دشتِ پُرآشوب میں پیاسا جسے مارا
جس کے لیے افلاک پہ روئے ہیں فرشتے — سر جس کا شقی نے پسِ گردن سے اتارا
دل ہل گئے سینوں میں اُٹھا شورِ قیامت — تقریر سے دربار لرزنے لگا سارا
تقریر کی تاثیر چھپانے کو اذاں میں — گھبرا کے جفا جُو نے موذن کو پکارا
جس وقت موذن نے لیا نام محمدؐ — سجاد مخاطب ہوئے ظالم سے دوبارا
پوچھا کہ بتا کس کو محمدؐ سے ہے رشتہ — کہتے ہی بَن آئی کہ یہ نانا تھا تمھارا

تقریر کے قربان مقرر کے تصدّق
اے نجم ستمگر کا بھرم کھل گیا سارا

ہاشمی شجاعت

اے خدا کے بندوں میں منتخب خدا والو　　تختِ انما والو تاج ہل اتی والو
شانِ مصطفےٰ والو وضعِ مرتضائی والو　　کیا وفا پہ جانیں دیں تم نے اے وفا والو
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو
کارزارِ ہستی میں تم نے دیں پناہی کی　　لاج رہ گئی تم سے تیغ کی سپاہی کی
تم نے آبرو رکھ لی فطرتِ الٰہی کی　　سر کٹا کے ملت کی تم نے سربراہی کی
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو
حق کی راہ میں کھائے زخمِ دلنشیں تم نے　　دل بنادیے کتنے درد آفریں تم نے
چوم کر سرِ میداں موت کی جبیں تم نے　　خونِ گرم سے اپنے رنگ دی زمیں تم نے
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو
دینِ حق کی بے تابی ہر طرف پکار آئی　　ہاشمی شجاعت ہی پھر بروئے کار آئی
یہ تمھاری ہمت تھی جو چمن سنوار آئی　　اپنے خون سے سینچا تب کہیں بہار آئی
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو
کس بلا کے جنگل میں آلِ مصطفےٰ ٹھہری　　بے دیار کا مدفن ارضِ کربلا ٹھہری
آئی شام عاشورہ صبح کو وِنا ٹھہری　　کیا خبر مدینہ کو شامیوں سے کیا ٹھہری
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو
چھوٹے چھوٹے بچوں نے جنگ کی اجازت لی　　بڑھ گئے جواں بن کر کم سنی سے رخصت لی
قوم کی حمایت میں عزتِ شہادت لی　　زندگی کو کیا کہیے موت سے بھی خدمت لی
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو
حق پہ مرنے والوں نے جان دی سلیقے سے　　شوق سے تمنا سے عزم سے ارادے سے

زندگی نہ کی پیاری فاطمہؑ کے پیارے سے ماں کی گود سے آیا آیا کوئی جھولے سے

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

کوئی تم میں اکبرؑ تھا کوئی تم میں اصغرؑ تھا کوئی ثانیِ جعفرؑ کوئی مثلِ حیدرؑ تھا

کوئی قدر و قیمت میں دوجہاں سے برتر تھا زیرِ تیغ سنتے ہیں فاطمہؑ کا گھر بھر تھا

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

اس طرح کے عالم میں پھر نہ دل جگر دیکھے در پہ آکے ماؤں نے جنگ کے ہنر دیکھے

اپنے چاند کے ٹکڑے خوں میں تر بہ تر دیکھے ریگِ گرم پہ لاشے برچھیوں پہ سر دیکھے

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

سر کہیں تھے نیزوں پر خاک پر کہیں لاشیں دم بخود ہوئی دنیا دیکھ کر حسیں لاشیں

خامشی کے عالم میں کام کر گئیں لاشیں بیگناہ مارا ہے منہ سے بول اٹھیں لاشیں

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

تم پہ کیا ستم توڑے ہائے بے ادب دنیا آج خود ہے دنیا میں کشتۂ تعب دنیا

تشنہ لب کبھی تم تھے اب ہے تشنہ لب دنیا اب تمھیں کہاں پائے ڈھونڈتی ہے اب دنیا

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(45)

زِندانِ شام

بادشاہِ کربلا شام کے زنداں میں ہے صبحِ قیامت نما شام کے زنداں میں ہے

سید سجادؑ ہیں طاعتِ معبود میں چاند سا نکلا ہوا شام کے زِنداں میں ہے

جانِ رسولؐ خدا دشت میں ہے بے کفن آلِ رسولؐ خدا شام کے زنداں میں ہے

دھوپ میں کٹتا ہے دن اوس میں کٹتی ہے شب ہر ستمِ ناروا شام کے زنداں میں ہے

اہلِ وفا اٹھ گئے اہلِ جہاں ہیں خموش ماتمِ اہلِ وفا شام کے زنداں میں ہے

تیر ہے تلوار ہے تذکرہ کربلا　　روز نئی کربلا شام کے زنداں میں ہے
بالی سکینہؑ چلیں باپ کا غم لے چلا　　اور یہ ماتم نیا شام کے زنداں میں ہے
فرقِ شہِؑ کربلا دیکھیے کیونکر ملے　　ایک یہی آسرا شام کے زنداں میں ہے
جائے گا یہ سلسلہ تیرھویں معصومؑ تک　　آج نئی ابتدا شام کے زنداں میں ہے

(46)

پہلا زائر

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو　　مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو
قسمت سے ہو حضور میں حاضر یہ پوچھ لو　　پہلے ہو تم حسینؑ کے زائر یہ پوچھ لو

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

اللہ چار دن میں زمانہ بدل گیا　　جیسے کہ مصطفےٰؐ کا گھرانا بدل گیا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

آرام کچھ رسولؐ کے جانی نہیں ملا　　سولہ پہر کی پیاس میں پانی نہیں ملا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

میداں رہا یہ کون سے جنگ آزما کے ہاتھ　　کاٹے گئے تھے نہر پہ کس باوفا کے ہاتھ

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

آتا سوال آب پہ اکبرؑ سے کیا کہا　　شرما کے ہم شبیہِ پیمبرؐ سے کیا کہا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

اکبرؑ کی لاش جس نے اٹھائی وہ کون تھا　　اصغرؑ کی قبر جس نے بنائی وہ کون تھا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

میدانِ کربلا میں علیؑ کی طرح لڑے　　یا رحم کھا کے قوم پہ گھوڑے سے گر پڑے

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

سرکار وقتِ عصر تھا سر کس کی گود میں　　مسلم کی گود میں تھا کہ عابس کی گود میں

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

آنکھوں میں تھا نجف کہ مدینہ نظر میں تھا　　ہنگامِ ذبح روئے سکینہؑ نظر میں تھا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

دیکھی تھی قتل گاہ میں جب لاش باپ کی　　تسکین کس نے دی تھی سکینہؑ کو آپ کی

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

اُمت کا یہ سلوک یہ احسان کب ہوا　　دفن و کفن کا آپ کے سامان کب ہوا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

غم خوار اہل بیتؑ ہو ایسا بھی تھا کوئی　　حضرت کے بعد پوچھنے والا بھی تھا کوئی

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

دُنیا کو خوں رلائے گی یہ داستاں بہت　　نوحے کہیں گے نجم سے شیریں زباں بہت

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

طالبِ دیدار

زنداں سے چھٹ کے صاحبِ آزار آئے ہیں

کوفہ کو فتح کرکے عزا دار آئے ہیں قیدی بلا کے شام کا دربار آئے ہیں
اشکوں کی نذر لے کے دل افگار آئے ہیں زنداں سے چھٹ کے صاحبِ آزار آئے ہیں

اُٹھو حسینؑ عابدِؑ بیمار آئے ہیں

ماتم زدوں کے قافلہ سالار آئے ہیں

قربانیوں کو صبر سے محکم بنا دیا سب کو تمھارے درد سے محرم بنا دیا
ہر اہلِ دل کو صاحبِ ماتم بنا دیا ماتم زدوں کے قافلہ سالار آئے ہیں

اُٹھو حسینؑ عابدِؑ بیمار آئے ہیں

صورت دکھاؤ طالبِ دیدار آئے ہیں

جس جس نے دل پہ داغ لیا تھا وہ ساتھ ہے اکبرؑ کو صبر جس نے کیا تھا وہ ساتھ ہے
اصغر کو نذر جس نے دیا تھا وہ ساتھ ہے صورت دکھاؤ طالبِ دیدار آئے ہیں

اُٹھو حسینؑ عابدِؑ بیمار آئے ہیں

کھو کر اسے یہ بیکس و ناچار آئے ہیں

تھے جس کے منتظر وہ خزینہ کہیں نہیں وہ غم نصیب شاہِ مدینہ کہیں نہیں
سب ہیں تمھاری بالی سکینہؑ کہیں نہیں کھو کر اُسے یہ بیکس و ناچار آئے ہیں

اُٹھو حسینؑ عابدِؑ بیمار آئے ہیں

لے کر خبر یہ آپ کے غم خوار آئے ہیں

ساحل پہ کوئی روکنے والا نہیں رہا کیا قافلہ حضورؑ کا پیاسا نہیں رہا

اب گھاٹ پر فرات کے پہرا نہیں رہا لے کر خبر یہ آپ کے غم خوار آئے ہیں

اُٹھو حسینؑ عابدِؑ بیمار آئے ہیں
مجلس کریں گے دھوم سے زوّار آئے ہیں

فریاد و اشک و آہ کی رخصت بھی مل گئی ہاتھوں کو قید و بند سے فرصت بھی مل گئی
ماتم کی غم زدوں کو اجازت بھی مل گئی مجلس کریں گے دھوم سے زوّار آئے ہیں

اُٹھو حسینؑ عابدِؑ بیمار آئے ہیں
یثرب کی سمت جانے کو تیار آئے ہیں

ارمانِ دل نبیؐ کے دل آرام ہے کوئی اہل وطن سے جانِ وطن کام ہے کوئی
نانا کی قبر کے لیے پیغام ہے کوئی یثرب کی سمت جانے کو تیار آئے ہیں

اُٹھو حسینؑ عابدِؑ بیمار آئے ہیں
زنداں سے چھٹ کے صاحبِ آزار آئے ہیں

رُخصتی سلام

ایک قائم ہیں مرے احساسِ غم سے مشرقین اے حسینؑ کربلا اے سارے عالم کے حسینؑ
جان تو نے راہِ حق میں ہاشمی جانباز دی تو نے ہی اسلام کی آواز پر آواز دی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

ساری دنیا دیکھتی تھی جب تماشا دین کا کفر کے ہاتھوں سے چھینا تو نے لاشا دین کا
دیکھ کر افسردگی توحید کے پیغام میں تو نے اپنی روح بھر دی پیکرِ اسلام میں

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

کیسے کیسے غنچہ لب نازوں کے پالے لے گیا تو مدینے سے بہتر مرنے والے لے گیا
موت کو اک اک حسین کی زندگانی سونپ دی قاسمؑ و عباسؑ و اکبرؑ کی جوانی سونپ دی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

خندہ لب گزرا غم و آلام کے انبوہ سے جنگلوں سے وادیوں سے دشت و در سے کوہ سے
خون کے پیاسوں کو آبِ سرد پلواتا ہوا رحمتہ اللعالمیں کا نام پہنچاتا ہوا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جی نہ چھوڑا ظلم و بدعت کی کہانی سن کے بھی منہ نہ پھیرا تو نے مسلم کی سُنائی سن کے بھی
زخم کھائے جس قدر سینہ پہ دل بڑھتا رہا زیرِ خنجر بھی محبت کا رجز پڑھتا رہا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

صلح کی نیت سے آیا تھا کہ عزمِ قہر سے　　تو نے ثابت کر دیا خیمے اُٹھا کر نہر سے
پھول سب تیرے چمن کے دھوپ میں سنولا گئے　　دم تیرے دامن میں توڑا گود میں مرجھا گئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تیرے صبر و ضبط کی ہر آرزو بر آگئی　　بیکسی کا جی بھر آیا تشنگی شرما گئی
عشق کی بنیاد رکھی نینوا کی خاک پر　　ابرِ رحمت بن کے برسا کربلا کی خاک پر

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

اک اشارے پر گرے یوں مرنے والے ٹوٹ کر　　لے گیا پیکِ اجل ساری کمائی لوٹ کر
ظالموں نے زخمِ دل زخمِ جگر کیا کیا دیے　　تو نہ تڑپا خلق کے سینوں میں دل تڑپا دیے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

یوں سرِ میداں نہ لایا ہر قریب و دور کو　　ساتھیوں کے تو نے دل پر کھے شبِ عاشور کو
اک نگاہِ خاص تیرے التفاتِ عام کی　　زندگی تھی موت کی تلوار کی اسلام کی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

مصلحِ اعظم تیرا احساں ہے کل اقوام پر　　تو نے اپنا سر دیا انسانیت کے نام پر
آج ہے اقطاعِ عالم پر جہانبانی تیری　　اب پرستش کر رہی ہے نوعِ انسانی تیری

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

خون کی دھاروں سے ایوانِ حکومت ڈھا دیے　حق کی قرباں گاہ پر کتنے گلے کٹوا دیے
جرم کہلانے کو سرمایہ پرستی رہ گئی　مٹ گئی قاتل کی ہستی تیری ہستی رہ گئی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تھم گئی سیلِ جفا طوفانِ بدعت رک گئے　تیرے سر کے سامنے اشرار کے سر جھک گئے
بندگانِ ظلم کو حکمِ زباں بندی دیا　نوکِ نیزہ سے بھی فرمانِ خداوندی دیا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

اے سوارِ دوشِ احمدؐ نینوا کا قصد ہے　پھر اسی ہنگامۂ کرب و بلا کا قصد ہے
ہجر میں فریاد کی ہے خواب گاہِ ناز نے　خاک سے اُٹھ کر پکارا ہے کسی جانباز نے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

بجھ گئے دل امتیازِ مرگ و ہستی لے چلا　جانے والے تو ہمارے گھر کی بستی لے چلا
کیا خفا کچھ ہو گئے بندوں سے آقا کیوں گئے　ننھے بچے روز پوچھیں گے کہ مولا کیوں گئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تعزیے جب گھر سے باہر لے چلے ہم نوحہ گر　سب کنیزیں سیّدہ کی رہ گئیں منہ دیکھ کر
جس کی دولت لٹ رہی ہو اس کو کیونکر کل پڑے　رات بھر روئی ہوئی آنکھوں سے آنسو ڈھل پڑے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جی بھر آتا تھا عشرہ کی سحر کے نام سے　　بال کھولے ہیں بلائیں لینے والی شام سے
آئے ہیں گھر بھر کو با حالِ پریشاں چھوڑ کر　　تیرے اجڑے تعزیہ خانوں میں گریاں چھوڑ کر

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

صبح سے ہے اک اُداسی کا زوال آیا ہوا　　ایک سناٹا فضائے درد پر چھایا ہوا
دیدۂ خوں بار جیسے آبلے بیٹھے ہوئے　　خشک لب جلتے ہوئے آنسو گلے بیٹھے ہوئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

بے زبانوں کو بھی احساسِ الم گھیرے ہوئے　　گود کے بچے بھی خواب وخور سے منہ پھیرے ہوئے
ناسمجھ آنکھوں سے بھی آنسو رواں تیرے لیے　　ادھ کٹے لفظوں سے بچے نوحہ خواں تیرے لیے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

کھیل کی جانب دماغ و دل پلٹتے ہی نہیں　　ہاتھ ماتم چھوڑ کر سینوں سے ہٹتے ہی نہیں
غم نما آثار اِدھر اُترے ہوئے چہروں کے ہیں　　پھول اُدھر مسند پہ مرجھائے ہوئے سہروں کے ہیں

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

دل کے تڑپانے کو خوشبو عود کی پھیلی ہوئی　　شہ نشیں پر ملگجی سی چاندنی پھیلی ہوئی
تہ بہ تہ پلکوں میں اشکِ چشم نم لپٹے ہوئے　　تخت کے گوشہ پہ چادر میں علَم لپٹے ہوئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

چرخ کے روشن ستارے متصل بجھتے ہوئے　　　ادھ جلی شمعوں کی خاموشی سے دل بجھتے ہوئے
گوشۂ مشرق میں دھندلی روشنی سہمی ہوئی　　　موت کی غمگیں فضا میں زندگی سہمی ہوئی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

کیا پسند آئی ہے اے خلوت نشینِ کربلا　　　جس نے پیاسا تجھ کو مارا وہ زمینِ کربلا
وہ زمیں جو آسمانِ ظلم بن کر چھا گئی　　　جس پہ وقتِ عصر سجدے میں تجھے نیند آ گئی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

وہ زمیں اکبرؑ سا جس پہ ماہ لقا مارا گیا　　　جس پہ تیرا قافلے کا قافلہ مارا گیا
کلیاں کیں خون کی تشنہ دہن بے شیر نے　　　دودھ اصغرؑ کا بڑھایا جس زمیں پہ تیر نے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جس زمیں نے تین دن طوفاں اٹھائے پیاس کے　　　خون برسا نہر پر شانے کٹے عباسؑ کے
جس نے مسلم کے یتیموں کی جوانی لوٹ لی　　　دولتِ ہمشیر بھائی کی نشانی لوٹ لی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جس زمیں پر آبِ خنجر تا گلو بہتا رہا　　　شام کو خیمے جلے دن بھر لہو بہتا رہا
جس پر سر کاٹے گئے ایمان کی تعزیر میں　　　جس پہ آلِ مصطفیٰؐ جکڑی گئی زنجیر میں

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

بے حسوں میں زندگی پھیلانے والے مرحبا   ہند میں تُربت سے اٹھ کر آنے والے مرحبا
ہو مبارک تحفۂ اشک عزا لینا تجھے   ہے ابھی ملّت کے دل کا جائزا لینا تجھے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

ماتمی لاکھوں ہیں نفس بے ریا کس کس میں ہے   دیکھنا ہے تیرے اُسوہ کی ادا کس کس میں ہے
کس قدر قومی جلالت کا علَم اونچا ہوا   پوچھتا جا میری محنت کا نتیجہ کیا ہوا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

الوداع اے خون میں رنگیں ستارے الوداع   الوداع اے بے سہاروں کے سہارے الوداع
منتظر ہے تیرے قدموں کی جبینِ کربلا   آرہا ہے تیرا کشتہ اے زمینِ کربلا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

اے مسافر تجھ پہ تیرے میزبانوں کا سلام   ہند کے بوڑھوں کا بچوں کا جوانوں کا سلام
دردِ قومی جن کو ہے اُن خستہ حالوں کا سلام   ملک اور ملت کی خاطر مرنے والوں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

پیاس کے مارے ہوئے دریا کا نہروں کا سلام   تا ابد گنگ و جمن کی اٹھتی لہروں کا سلام
جانے والے صف بصف کھیتوں کا باغوں کا سلام   اے مسافر ماتمی سینوں کے داغوں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تجھ پہ اے مظلوم بھارت کے سپوتوں کا سلام   ہند کے نادار مزدوروں اچھوتوں کا سلام
زندگی کی دوڑ میں ہم سست گاموں کا سلام   تاجدارِ حریت تجھ پر غلاموں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

سواری

رخصت ہے قتیلِ ستم و غم کی سواری   ہے رو بہ سفر صبرِ مجسّم کی سواری
اے قوم چلی مصلحِ اعظم کی سواری   جاتی ہے شہنشاہِ دو عالم کی سواری

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

اس شان کا مرنا کہیں دیکھوگے نہ جینا   ڈوبا ہوا اک خون کے دریا میں سفینا
اسلام کا مفہوم ہے اس گھر کا قرینا   اس در پہ مہ و مہر کو آتا ہے پسینا

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

مظلوم کے آثارِ جلالت ہیں ہوا میں   ہر سانس ہے ڈوبی ہوئی احساس بکا میں
فطرت ہمہ تن درد ہے یادِ شہدأ میں   کیا جانئے کیا رنگ ہے اس وقت فضا میں

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

تاحدِ نظر بھیڑ ہے آشفتہ سروں کی   یا چاک گریبانوں کی یا نوحہ گروں کی
آمد ہے سرِ عرش سے پیغامبروں کی   آواز سی آئی ہے فرشتوں کے پروں کی

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

اغلب ہے جلو میں ہوں سب اعوان سب انصار   سر اپنے کٹائے ہوئے حاضر ہوں رضا کار
اکبرؑ ہوں اُسی شان سے تولے ہوئے تلوار   پرچم ابھی کھولے ہوئے ہو روحِ علمدار

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

کچھ دُور نہیں جانِ دو عالم ہو جلو میں غیبت کے حجابات کا محرم ہو جلو میں
وارث غمِ سروڑ کا بصد غم ہو جلو میں خود محبتِ حق صاحبِ ماتم ہو جلو میں

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

ہمراہ ہوں تھامے ہوئے دل شافعِ محشر ہوں خاک بسر تیغ بکف حیدرِ صفدر
کہتے ہوئے آتے ہوں حسنؑ ہائے برادر محمل میں ہو کھولے ہوئے سر جانِ پیمبرؐ

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

طے کر کے وہ آیا ہے غم و درد کا جادا رستہ میں اٹھائے ہیں ستم حد سے زیادہ
راحت میں مجاہد کی خلل آئے مبادا تابوت میں سوتا ہے دو عالم کا شُہزادہ

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

سینہ سے شہادت کا لگائے ہوئے محضر وہ خاتمہ کی مہر میں داغِ علی اصغرؑ
کس شان سے زخموں کی وہ اوڑھے ہوئے چادر عاشور سے ہے خواب میں سوتوں کو جگا کر

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

تابوت پہ ہے سایہ کناں دامنِ رحمت لہراتا ہے بالیں پہ عَلم نورِ صداقت
فرمانِ ادب دیتا ہے آئینِ شجاعت مظلوم کو روتی ہوئی آتی ہے محبت

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

آنکھوں میں بھرے اشک غریب الوطنی ہے سر اپنا جھکائے ہوئے تشنہ دہنی ہے
ماتم کا یہ عالم ہے کہ جانوں پہ بنی ہے اور کیف شہادت میں وہ جرأت کا دھنی ہے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

ملت کا دُلارا ہے سواری ہے یہ جس کی اسلام کا پیارا ہے سواری ہے یہ جس کی
مطلوب ہمارا ہے سواری ہے یہ جس کی پیاسا اسے مارا ہے سواری ہے یہ جس کی
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

اسلام پہ دنیا میں بُرا وقت جو آیا ہاتھوں پہ تڑپتا ہوا دل رکھ کے دکھایا
چھ ماہ کے بچہ کو بھی میدان میں لایا نانا کی ریاضت کو نواسے نے بچایا
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

غمخوار ہے سب کا کوئی مانے کہ نہ مانے کربل میں لٹا کر جگر و دل کے خزانے
اب ہند میں آیا ہے وہ پیغام سنانے نوحے کی زباں میں ہیں محبت کے ترانے
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

یہ درد کا عالم ہے کہ دل رہ نہیں سکتے آنسو بھی بہ اندازۂ غم بہہ نہیں سکتے
مہماں کی جدائی کا الم سہہ نہیں سکتے رونق لیے جاتا ہے یہ کچھ کہہ نہیں سکتے
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

چپ ہیں بہ ادب ارض و سما کوئی کہے کیا وہ رعب ہے جز صلِ علا کوئی کہے کیا
جاتا ہے وہ پابند وفا کوئی کہے کیا یاد آ گئی پھر کرب و بلا کوئی کہے کیا
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

خون اپنے کلیجہ کا بہایا ہے اسی نے مقتل کو محبت کے سجایا ہے اسی نے
سرمایہ پرستی کو مٹایا ہے اسی نے انسان کی عزت کو بچایا ہے اسی نے
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

ہر صاحبِ دل بندۂ بے دام ہے اس کا مظلوم کا حامی کرم عام ہے اس کا
تیرہ سو برس سے یہی پیغام ہے اس کا سُن لو کہ حسینؑ ابن علیؑ نام ہے اس کا
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے
آئینِ ادب مسلکِ دربار نہ بھولو کس کے ہو محبّ کس کے عزادار نہ بھولو
کیا جوش تولاّ کا ہے معیار نہ بھولو یہ مشورۂ شاعرِ سرکار نہ بھولو
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

(50)

سَت کی سیوا

جب جھوٹ کی ندی بڑھ چڑھ کر لہراتی ہے اٹھلاتی ہے یہ چلتی پھرتی مایا جب کایا کا لہو پی جاتی ہے
اک وقت نظر میں پھرتا ہے اک بات مجھے یاد آتی ہے سکھ کھونا یاد آتا ہے دکھ پانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے
جب تن کی مورت ہنستی ہے اور من کی دیوی روتی ہے یہ دنیا نرم بچھونے پر جب آنکھیں کھولے سوتی ہے
سَت دھرم پہ مرنے والوں کی اس جگ میں کمی جب ہوتی ہے میدان میں ننھے بچے کا لے آنا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے
جب پل پل گرمی بڑھتی ہے اور دھوپ تڑپ دکھلاتی ہے دنیا میں کوئی پھلواری جب بے نیر کہیں مرجھاتی ہے
کچھ سوکھے سوکھے ہونٹوں کی ہر پیاس میں یاد آ جاتی ہے اصغرؑ کے گلابی مکھڑے کا کملانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے
جب سچوں کو ٹھکراتے ہیں اور جھوٹوں کو اپناتے ہیں جب اچھے اچھے دھرم پجاری پاپ کی ٹھوکر کھاتے ہیں

جب مایا جال بچھاتی ہے دل پھندے میں پھنس جاتے ہیں   سنسار کی جھوٹی مایا کو ٹھکرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کائنات کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب تن کی رکھشا کرنے والے من کا انس مٹاتے ہیں   درد کے جب سیوک بن کر گھر کی لاج گنواتے ہیں

جب سکھ کے بندے سکھ کے کارن پگ پگ سیس نواتے ہیں   دکھ درد کے اونچے پربت سے ٹکرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کائنات کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب بردا دھک دھک کرتا ہے گھمسان میں رن کی بانی سے   جب تیور بجھ بجھ جاتے ہیں دو چرکوں میں آسانی سے

جب کائر جان بچاتے ہیں تلوار کے گہرے پانی سے   ان خون میں ڈوبی زلفوں کا بل کھانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کائنات کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

اس جگمگ جگمگ دنیا میں جب ہٹ پر بالک آتے ہیں   جب آنکھیں نیر بہاتی ہیں دل پانی ہو ہو جاتے ہیں

جب جھوٹی سچی آشا دے کر بات پتا سمجھاتے ہیں   کربل میں حسینی جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کائنات کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب آنکھ سے آنسو ڈھل کر بھی من کا گرد دھوتے ہیں   جب گھر گھر ماتم ہوتا ہے جب رونے والے روتے ہیں

عشرہ کو ہوا کی لہروں میں جب سبز پھریرے ہوتے ہیں   کربل میں حسینی جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کائنات کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

نعرۂ عمل

کیا صفِ ماتم پہ بیٹھے ہو عزادارو اٹھو درد سے دنیا کو بھر دو درد کے مارے اٹھو
حریت کی روحِ اعظم کے پرستارو اٹھو فاطمہؑ کے لاڈلے پر جان و دل وارو اٹھو
چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا
ذرہ ذرہ کو سنادو داستانِ کربلا کس طرح لوٹا گیا تھا کاروانِ کربلا
کر گئے کیا کارنامے میہمانِ کربلا بے زباں کے غم میں بن جاؤ زبانِ کربلا
چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا
سر فروشانِ ازل کی وہ حسیں قربانیاں وہ کڑا سودا مگر جانوں کی وہ ارزانیاں
بے وضو سجدوں سے ظاہر بے سرو سامانیاں یاد ہوں گی خون میں ڈوبی ہوئی پیشانیاں
چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہید کربلا کے نام کا
خلق سے کہہ دو کہ یہ شانِ شہادت دیکھ لے تین دن کے بھوکے پیاسوں کی شجاعت دیکھ لے
دل پہن رکھے ہیں زرہوں پر جلالت دیکھ لے ایک سے بڑھ کر ہے اک معصوم صورت دیکھ لے
چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا
حق کی قرباں گاہ پر شبیرؑ کا لاشہ بھی ہے یادگارِ شاہِؑ خیبر گیر کا لاشہ بھی ہے
اک رسولؐ اللہ کی تصویر کا لاشہ بھی ہے گود میں شبیرؑ کے بے شیر کا لاشہ بھی ہے
چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

رہ گیا باقی ابد تک نام کہتے ہیں اسے   جی اٹھی ملّت خدائی کام کہتے ہیں اسے
کٹ گئے کتنے گلے پیغام کہتے ہیں اسے   اے مسلماں دیکھ لے اسلام کہتے ہیں اسے

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

دوش پر فوجِ حسینؑ کا علَم لے کر چلو   یاد میں عباسؑ کی با چشمِ نم لے کر چلو
پاؤں تھک جائیں تو ہمت کے قدم لے کر چلو   نجمؔ آؤ بزمِ ماتم میں قلم لے کر چلو

چہرۂ روشن دکھاکر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

(52)

جانِ تولّا

بے چین بہت دل والے ہیں اے جانِ تولّا تیرے لیے   اے سوز کے مالک تیرے لئے اے درد کے آقا تیرے لئے
گو آٹھ پہر کی پیاس بھی تھی سینہ پہ لگی تھی برچھی بھی   ممکن ہے اجل کی گود میں ہو اکبرؑ کا تڑپنا تیرے لئے
تبدیل نظامِ قدرت ہو تو نے ہی گوارا خود نہ کیا   سنتے ہیں بدلنے والا تھا کونین کا نقشہ تیرے لئے
سو زخم ہیں جسمِ نازک پر آرام سے سو کروٹ بھی نہ لے   عاشور کی غمگین راتوں میں بیدار ہے دنیا تیرے لئے
بچہ تھا مگر کس گود کا تھا بے شیر کی فطرت کہتی ہے   پانی کی طلب میں فوج سے تھا اصغرؑ کا اشارا تیرے لئے
تیری ہی کہانی کہنی ہے تیرا ہی سبق دہرانا ہے   اسلام کو زندہ تو نے کیا اسلام ہے زندہ تیرے لئے
خنجر کے تلے سمجھانا تھا اللہ کو منوانا تھا   اس پیاس میں جلتی ریتی پر مخصوص تھا سجدہ تیرے لئے
وہ حمد کی شب ہے نظروں میں وہ شکر کا دن ہے ذہنوں میں   پیغامِ شہادت لایا تھا جب صبح کا تارا تیرے لئے
وہ حوصلۂ جاں کا طالب اللہ وہ عزمِ راہِ طلب   سر کی ہوئی دنیا تیرے لئے اٹھا ہوا پردہ تیرے لئے

قدموں میں جو دریا آ نہ سکا سنتے ہیں بہت بیتاب رہا　　دریا نے کہاں سے دیکھا تھا کوثر کا چھلکنا تیرے لئے
اشک آنکھ میں ہیں کاندھے پہ علم اور پاؤں رہِ آزادی میں　　اب ہوش حقیقت آیا ہے اب حشر ہے برپا تیرے لئے
اب کام کی تیری باتیں ہیں اب نام کی تیرے پوجا ہے　　تو نے جو نہ چاہا اپنے لئے اللہ نے چاہا تیرے لئے
آہوں سے کلیجے پھٹتے ہیں دن رات تڑپتے کٹتے ہیں　　روٹھے ہوئے صاحب تیرے لئے بچھڑے ہوئے مولا تیرے لئے

نجم ایک نظر کا خواہاں ہے مرضی جو نہیں یہ بھی نہ سہی
دربار میں شامل ہو کہ نہ ہو شاعر ہے یہ تیرا تیرے لئے

(53)

حیاتِ نو

شبیرؑ کو سر دے کر اسلام بچانا ہے　　کونین ہیں قدموں میں ریتی پہ ٹھکانا ہے
اکبرؑ پہ نظر ڈالو قاسمؑ کی طرف دیکھو　　مرنے کے ارادے ہیں جینے کا زمانا ہے
یہ خون بھرے چہرے یہ کفر شکن نظریں　　حیدرؑ کا گھرانا بھی شیروں کا گھرانا ہے
شبیرؑ کے ہاتھوں کا بوسہ تو کوئی لے لے　　ننھے سے مجاہد کو میدان میں لانا ہے
دیکھا ہی ابھی کیا ہے دنیا کی نگاہوں نے　　رکھ کر ابھی ہاتھوں پر دل اپنا دکھانا ہے
کوثر کے یہ مالک ہیں پانی کی طلب کیسی　　سوئی ہوئی ملّت کی غیرت کو جگانا ہے
امّت کی محبت میں بچوں کو فدا کر کے　　دنیائے محبت کا قانون بنانا ہے
یہ کس نے جھکایا ہے سر طاعتِ خالق میں　　کیا سر ہے کہ سجدے سے قاتل کو اٹھانا ہے
احمدؐ کا نواسہ ہے معراج بھی پائے گا　　نیزے کی بلندی سے قرآن سنانا ہے
لفظوں سے حکومت کی بنیاد ہلانی ہے　　سجادؑ کو ظالم کے دربار میں جانا ہے

اسلام کو دیتا ہے ہر سال حیاتِ نو   کیا تو نے کہا غافل یہ ذکر پرانا ہے
کس خون سے لکھا ہے مٹنے کا نہیں ہرگز   اے صفحۂ گیتی یہ بیکس کا فسانہ ہے
اب اپنے غلاموں سے شبیرؑ کا پُرسا لے   اے صاحبِ عصر آجا اِک دن تجھے آنا ہے
ہے نجم کی ہستی کیا اے کرب و بلا والے
کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے

(54)

ہمارا کارواں

وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا   لوٹا تھا کربلا میں جب کارواں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
دریا پہ منتظر تھے جب آگ دینے والے   خشکی میں جب تھا خیمہ عرش آستاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
بچوں کی موت جس دن ماؤں کی آرزو تھی   دولھا بنا ہُوا تھا ہر نوجواں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
روکا تھا رحم کھا کر جب رحمتِ خدا نے   بپھرا ہوا تھا اِک اِک شیرِ ژیاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
ایماں کی زندگی تھی جب تشنگی ہماری   دشمن کی زندگی تھا آبِ رواں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
جب اُٹھ رہی تھیں اپنے خونِ جگر کی موجیں   جب درس دے رہا تھا تشنہ وہاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

خوناب ہوگئی تھیں جب علقمہ کی لہریں　　ڈوبا تھا خون میں جب قومی نشاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

اک آہ کی صدا بھی گونجی تیری فضا میں　　جب لے گئی کلیجہ نوکِ سناں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

تسلیم کا رضا کا نغمہ سُنا تھا تو نے　　جب خوں اُگل رہا تھا اِک بے زباں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

سُنتے ہیں سیّدہؑ کی تُربت لرزگئی تھی　　جب زیرِ تیغ آیا آرام جاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

یثرب میں بے مجاور تھی قبر مصطفےٰؐ کی　　زندانِ شام میں تھا جب آشیاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

مظلومِ کربلا کی عترت کا صبر دیکھے　　کیا دیکھتی ہے گریہ چشمِ جہاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

وہ شانِ صابری تھی یہ دَورِ بندگی ہے　　وہ وقت صبر کا یہ عہدِ فغاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

پرورد گارِ درد

شہیدِ ظلم غریب الدیار کیا کہنا — حسینؑ درد کے پروردگار کیا کہنا
وہ خشک لب وہ گریباں رنگے ہوئے خوں میں — تیرے چمن کے گلوں کی بہار کیا کہنا
زباں پہ شکر نگاہوں میں درد دل میں تڑپ — نبیؐ کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا
وہ سر وہ طرۂ خیرالبشرؐ وہ پیکرِ نور — گلے کی زیب وہ زخموں کے ہار کیا کہنا
بڑھا تھا کفر کہ اسلام کا نشاں نہ رہے — تڑپ کے روک لیا دل پہ وار کیا کہنا
وہ تیرے صبر کی آغوش وہ لاشۂ اصغرؑ — یہ دل یہ دل پہ تیرا اختیار کیا کہنا
بھلا دیا وہ تبسم بھی دردِ ملّت نے — رہا نہ یاد سکینہؑ کا پیار کیا کہنا
یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا — یہ تیرے دوش پہ کوہِ وقار کیا کہنا
جناں کا قصد لہو کر کے شیرِ زہراؑ کو — پسند آگئی خنجر کی دھار کیا کہنا
وہ نانا جان کی اُمت سے کی وفا تو نے — تیری وفا پہ دو عالم نثار کیا کہنا
یہ زیرِ خنجرِ قاتل خدا سے راز و نیاز — نگاہِ شوق ہے بروئے کار کیا کہنا
ہر آنکھ سے ہیں رواں تیرے درد کے آنسو — یہ تیرا درد ہے آج اشکبار کیا کہنا
شہیدِ ظلم زمانہ شہید ہے تیرا — ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

یہ دل میں دردِ محبت یہ نجمؔ جوشِ سخن
یہ تیرا خامۂ ماتم نگار کیا کہنا

ملّتِ ناکام

جلوہ گرِ کربلا تیرا ہی یہ کام ہے — آج بھی انسانیت آج بھی اسلام ہے
کل کی تیری بیکسی آج ہوئی بارور — خاصۂ ربِّ عُلا تیری وِلا عام ہے
ہند میں دس روز کو آکے یہ منظر تو دیکھ — صبح تیری صبح ہے شام تیری شام ہے
پیاس کے مارے ہوئے خون میں ڈوبے ہوئے — دل میں تیری آرزو لب پہ تیرا نام ہے
اشکِ عزادار ہیں مرہمِ زخمِ جگر — بانکے سپاہی بتا اب تو کچھ آرام ہے
قبرِ پیمبرؐ سے دور کس نے سُلایا تجھے — اس کو نہ آئے گی نیند جس کا گُل اندام ہے
خلق کی اصلاح کو وہ تیری قربانیاں — آج وہ روحِ عمل مقصدِ اقوام ہے
عالمِ امکاں میں ہے آج وہ ملت بلند — دل سے لگائے ہوئے جو تیرا پیغام ہے
چین نہ دیں گی تجھے قوم کی ناکامیاں — مصلحِ اعظم کے لال تجھ سے ابھی کام ہے
تیری نظر کے نثار ایک نظر دیکھ لے — رُو بہ زوال آج پھر ملّتِ ناکام ہے
شیعہ و سُنّی میں ہے آج نیا افتراق — آج تباہی میں پھر کشتیِ اسلام ہے
پیارا نواسہ ہے تو خلد میں نانا سے پوچھ — دین کے آغاز کا کیا یہی انجام ہے

در پہ تیرے صف بہ صف تارے بھی ہیں چاند بھی
نجم کی خاطر فقط گردشِ ایّام ہے

یثرب سے آنے والے

اے دشتِ کربلا میں یثرب سے آنے والے   جنگل میں بیکسوں کی بستی بسانے والے
نزدیک آ رہی ہے تشنہ لبی کی منزل   رستہ میں دشمنوں کو پانی پلانے والے
تیرا ہی تھا یہ منصب اے ورثہ دارِ حیدرؑ   سجدوں کی عافیت میں تلواریں کھانے والے
سوکھے ہوئے لبوں پہ سَو علقمہ تصدّق   اے سیلِ اشکِ غم کو کوثر بنانے والے
کیا سر کیا ہے تونے میدان کربلا کا   اکبرؑ کی لاش اٹھاکر اصغرؑ کو لانے والے
گہوارۂ لحد میں بے شیر سو نہ جائے   خیمہ میں منتظر ہیں جھولا جھلانے والے
تیرا ہی تھا کلیجہ اتنوں کے داغ اٹھائے   دنیا میں داغِ دل کا سکہ چلانے والے
کیونکر زمیں نے تیرے سجدہ کا بار اُٹھایا   دربارِ ایزدی میں سردے کے جانے والے
راز و نیاز ہوں گے کیا کیا نہ زیرِ خنجر   اے مرضیِ خدا کو اپنا بنانے والے
نیزہ پہ یہ سواری کس سمت جارہی ہے   اے دوشِ مصطفیٰؐ پر جلوہ دکھانے والے
کوثر پہ ہوکے جانا خدمت میں سیّدہ کی   آغوشِ سیّدہ میں اے مسکرانے والے
ہاں ناروا ہے تیرے ماتم میں صبر کرنا   اے صبر کرنے والے اے غم اُٹھانے والے

یہ نجم نوحہ گر کا نوحہ قبول کرلے
اے مجلسِ عزا میں تشریف لانے والے

درود و سلام

اب سحر آئے اور نہ شام آئے — کربلا میں حسینؑ کام آئے
آہ نکلی لبِ فرات سے آہ — جب مدینہ کے لالہ فام آئے
نوجوان و جوان مُسن کمسن — مرنے والے باہتمام آئے
دیکھ دیکھ اے زمینِ مقتل دیکھ — مسکراتے ہوئے امامؑ آئے
موت کی سمت قید کی جانب — اُن کو مجرا جو تیز گام آئے
عرش سے فرش پر شہیدوں کا — صبح سے شام تک سلام آئے
ہائے عباسؑ کی وفاداری — نہر پر جاکے تشنہ کام آئے
کوئی مظلوم ہو تو ایسا ہو — اشک آنکھوں میں لب پہ نام آئے
جانِ زہراؑ یہ بیکسی تیری — چھ مہینے کی جان کام آئے
کیوں شہیدوں نے کروٹیں بدلیں — کس کی سوکھی زباں پہ نام آئے
زیرِ خنجر حسینؑ تھے جب تک — سَو درود آئے سَو سلام آئے
آؤ پُرسا امامِ عصرؑ کو دو — اُٹھو ماتم کرو امامؑ آئے

نجم آئے تو اہلِ دل نے کہا
درد یکسر غمِ تمام آئے

نہرِ علقمہ

پیاسا رہا جانِ نبیؐ اے وائے نہرِ علقمہ　　اُٹھتی رہیں موجیں تیری اے وائے نہرِ علقمہ
وہ خشک لب سوکھا گلا شبیرِ خدا کی آل کا　　وہ تیرے ہونٹوں پر تری اے وائے نہرِ علقمہ
طوفاں اٹھانا تھا تجھے یا سوکھ جانا تھا تجھے　　کچھ تو نے خدمت ہی نہ کی اے وائے نہرِ علقمہ
اِک مشک پانی کے لیے عباسؑ کے شانے کٹے　　ندی لہو کی بہہ گئی اے وائے نہرِ علقمہ
ڈوبے لہو میں یک قلم کیا کیا غزالانِ حرم　　دیکھی یہ کشتی ڈوبتی اے وائے نہرِ علقمہ
اِک چادرِ آبِ رواں اوڑھے ہوئے تو نوحہ خواں　　زینبؑ کی یہ بے چادری اے وائے نہرِ علقمہ
قبضہ میں تیرے آب ہو اور پیاس سے بے تاب ہو　　شہؑ کے چمن کی ہر کلی اے وائے نہرِ علقمہ
خیمہ رہے شبیرؑ کا یوں دھوپ میں جلتا ہُوا　　ساحل پہ ہو فوجِ شقی اے وائے نہرِ علقمہ
اشکِ سکینہؑ بہہ گئے منہ دیکھتے سب رہ گئے　　تُو اور تیری دریا دِلی اے وائے نہرِ علقمہ
یہ کون سا دستور تھا مہمان کتنی دور تھا　　کیا پاؤں میں زنجیر تھی اے وائے نہرِ علقمہ
حسرت کی اِک تفسیر تھی خود تیرے دل پر تیر تھی　　جو موج اُٹھی ایسی اُٹھی اے وائے نہرِ علقمہ

آتا ہے اُس کو یاد جب وہ کاروانِ تشنہ لب
ہے انجم کا نوحہ یہی اے وائے نہرِ علقمہ

جانِ کربلا

جانِ کربلا تونے راہِ حق دکھا دی ہے   موت کے اندھیرے میں شمع سی جلادی ہے
رحم کھاکر دشمن پر ہاتھ روکنے والے   ہائے کس قیامت کی قوّتِ ارادی ہے
شام دُور ہی کیا ہے اور دو قدم بڑھ جا   کربلا سے کوفہ تک جب زمیں ہلادی ہے
اب حسینؑ اصغرؑ کورن میں لے کے آئے ہیں   کیا انہیں بھی مادر نے جنگ کی رضادی ہے
اور کردیا روشن ظالموں نے ظلم اپنا   بیکسوں کے خیمہ میں آگ بھی لگادی ہے
دیدنی ہے زنداں میں ضبطِ غم سکینہؑ کا   گو ابھی بہت کم سن غم کی شاہزادی ہے
حق کہاں نظر آتا اے حسینؑ دنیا میں   تونے زندگی دے کر زندگی بڑھادی ہے
کیوں حسینؑ کے غم سے روکتے ہو دنیا کو   تم نے کیا زمانہ سے رسمِ غم اٹھادی ہے
اُس سے ایک دو آنسو کیا عزیز کرتے ہو   زیرِ تیغ بھی جس نے قوم کو دعا دی ہے
اس کے در پہ سجدے کر اے غرورِ انسانی   جس نے آدمیت کی آبرو بچادی ہے

عازمِ زیارت ہے نجمؔ ایک مدّت سے
کس کو اب صدا تونے ارضِ کربلا دی ہے

تصوّرات

دنیا دکھائی دیتی ہے ماتم سرا مجھے　　کرنا ہے کس غریب کا ماتم بپا مجھے
اللہ اللہ ذرّہ سے آتی ہے بوئے خوں　　کچھ اپنا ماجرا تو سُنا کربلا مجھے
ہر آنکھ ہے کسی کی مصیبت میں اشکبار　　ہر دل دکھائی دیتا ہے ٹوٹا ہُوا مجھے
یہ کس خدا پرست مسافر کا ہے مزار　　ہے جس کی خاکِ پاک پہ سجدہ روا مجھے
یہ کس کے چھ مہینے کے بچے کی قبر ہے　　سینہ سے دل نکال کے رکھنا پڑا مجھے
نالہ یہ کس کا گونج رہا ہے لبِ فرات　　ہوں تشنہ لب پلایئے پانی چچا مجھے
لبیک کہہ کے رُوح نکلنے کو ہے مری　　آتی ہے قتل گاہ سے کیسی صدا مجھے
تسبیح ہے کہ خون کے قطرے کسی کے ہیں　　اے کربلا کی خاک یہ کیا دے دیا مجھے
تو مشہدِ حسینؑ ہے اے عرش بر زمین　　اپنے میں جذب کرلے برائے خدا مجھے
وہ ظالموں کے ظلم یہ رونق یہ زندگی　　دشوار ہوگیا تیرا پہچاننا مجھے
کیا کیا ہوئی تھیں تیرے مٹانے کی کوششیں　　بھولے نہیں ہیں وہ ستم ناروا مجھے

شاعر ہوں اہلبیتؑ کا میں تجمّل دلفگار
پہچانتے ہیں کشتۂ راہِ خدا مجھے

پیارا سجدہ

راج دُلارا زہراؑ کا زخمی ہے اور پیاسا ہے　　بوند نہیں ہے پانی کی خون کا دریا بہتا ہے
گیتی اونچی ہوتی ہے گرنے نہ دے گی گھوڑے سے　　اپنی گود میں لے لیگی کس کی گود کا پالا ہے
راہِ خدا میں جلدی کی آگے جانے والوں نے　　صبح کے ساتھی چھوڑ گئے شام ہوئی اندھیارا ہے
اکبرؑ قاسمؑ کوئی نہیں آس بندھے تو کس سے بندھے　　دریا چھیننے والا بھی دریا چھین کے سوتا ہے
خون کی ندی ایسی چڑھی صبح سے لے کر شام تلک　　چاند نبیؐ کے ڈوب گئے سورج ڈوبنے والا ہے
حلق پہ تیغِ قاتل ہے جانِ پیمبرؐ سجدہ میں　　دونوں عالم صدقے ہیں کیسا پیارا سجدہ ہے
کل جو نبیؐ کے دوش پہ تھا آج وہ سر ہے نیزہ پر　　ایک زمانہ ایسا تھا ایک زمانہ ایسا ہے
بُجھ گئی شمعِ قبرِ نبیؐ دشتِ بَلا کیا روشن ہو　　بیچ میں خیمے جلتے ہیں چار طرف اندھیارا ہے
موت یہ تیری کیسی تھی مرنے والے تیرے لیے　　مجلس بستی بستی ہے ماتم صحرا صحرا ہے
چار پہر کی منزل تھی آٹھ پہر اب تھک چکے ہیں　　کام کی گھڑیاں بیت گئیں نام کا ڈنکا بجتا ہے

نجم غرورِ ملّت ہے جلوہ طرازِ کرب و بلا
ایسا مجاہد عالم میں نازِ دو عالم ہوتا ہے

پہلی مجلس

بھر دیا جوشِ عمل اسلام کی تلوار میں — یا حسینؑ ابن علیؑ کا شور ہے جھنکار میں
فاطمہؑ کی گود کا پالا جگا کر قوم کو — سو رہا ہے کربلا کی منزلِ بیدار میں
صبحِ عاشورِ محرم سر جو سجدوں سے اٹھے — ہنس دیئے اہلِ وفا منہ دیکھ کر تلوار میں
کب ہوا تھا نہر پر ٹھنڈا پیمبرؐ کا نشان — اَب تک اُٹھتے ہیں علم یادِ علَم بردار میں
مُسکرائے زیرِ تیغ اپنی حکومت دیکھ کر — دونوں عالم تھے نگاہِ سیّدِ ابرار میں
درد تھا اُمت کا جو زنجیرِ آہن بن گیا — تھی یہی زنجیر پائے عابدِ بیمار میں
کیا خبر تھی جن کے سجدوں نے ہلا دی ہے زمیں — اُن کے سر تشہیر ہوں گے کوچہ و بازار میں
جب سرِ شبیرؑ آیا جھک گئی چشمِ یزید — کفر نے سجدے کیے ایمان کی سرکار میں
خون کی چادر سے اُس کا حسن چھپ سکتا نہیں — جس کا حصہ ہو جمالِ احمدِؐ مختار میں
دشمنوں کو بھی رُلایا خود بھی روئے اہلبیتؑ — پہلی مجلس کی امیرِ شام کے دربار میں

فیضِ مداحی نے لفظوں کو عطا کی زندگی
اِک حقیقت اک تڑپ ہے تجمّ کے اشعار میں

سینہ زنی

آج تک اسلام کی جلوہ گری رہ گئی　　　تیری بدولت حسینؑ بات بنی رہ گئی
پھیر کے سقہ نے منہ مشک بھری نہر سے　　　سیل بڑھی تھم گئی موج اُٹھی رہ گئی
اہلِ وفا پر درود عہدِ وفا جی گیا　　　تشنہ لبوں پر سلام تشنہ لبی رہ گئی
گلشنِ زہراؑ کے گل پیاس سے مُرجھا گئے　　　تیرے لبوں پر فرات کیسے تری رہ گئی
خیمہ سے لانے کو ہیں تحفۂ آخر حسینؑ　　　نذر کے سامان میں کوئی کمی رہ گئی
رن کو وہ اصغرؑ چلے گود میں شبیرؑ کی　　　لے کے بلائیں رباب در پہ کھڑی رہ گئی
زیست کے آثار سب تیر اجل لے گیا　　　اصغرؑ بے شیر کے لب پہ ہنسی رہ گئی
جنگ کو اکبرؑ گئے کرکے وداعی سلام　　　اُن کی جوانی انہیں دیکھتی ہی رہ گئی
رُخصتِ شبیرؑ پر ضبط کا عالم یہ تھا　　　منہ کو سکینہؑ غریب تکتی ہوئی رہ گئی
اور یہ دھبہ لگا دامنِ اسلام پر　　　خاک پہ شبیرؑ کی لاش پڑی رہ گئی

نجم غنیمت ہے یہ سینہ زنی قوم کی
یاد تو اسلاف کی تیغ زنی رہ گئی

شبیرؑ کا پیغام

تا ابد زندہ ہے اور تا ابد اسلام ہے
اے شہیدِ کربلا اسلام تیرا نام ہے

مرحبا اے سر فروشانِ حسینؑ مرحبا
یوں تلاشِ موت جیسے موت سے کچھ کام ہے

مصطفیٰؐ کی آل پر یوں بند پانی کردیا
جیسے پانی بند کردینا رواجِ عام ہے

اب وہ پہلی سی نہیں اصغرؑ کو تکلیفِ عطش
سوگئے ہیں باپ کی گودی میں کچھ آرام ہے

قاصدِ صغرؑا ذرا لاشوں میں جاکر دیکھ لے
چاند سی صورت ہے جن کی ان کا اکبرؑ نام ہے

ہے غل و زنجیر میں جکڑا ہوا پیغامبر
خون میں ڈوبا ہوا شبیرؑ کا پیغام ہے

کرچکے تسخیر کوفہ سوگوارانِ حسینؑ
اب اسیرانِ بلا کا قصد سوئے شام ہے

آج بھی عاشور کے دن کی اُداسی دیکھ لو
کیسی بے رونق سحر کیسی بھیانک شام ہے

کب حضوری میں بلاتے ہیں حسینؑ ابن علیؑ
دیکھتا ہوں نجم کب تک گردشِ ایام ہے

صبرِ عالم اُن کے قدموں پر نثار

رن میں اصغرؑ تیر کھا کر رہ گئے مثلِ غنچہ مُسکرا کر رہ گئے
دشتِ ویراں میں حسینؑ ابنِ علیؑ درد کی بستی بسا کر رہ گئے
استغاثہ پر شہِؑ مظلوم کے دشت و در سب تھر تھرا کر رہ گئے
ہل گئی بنیادِ ہستی جب حسینؑ زیرِ خنجر لب ہلا کر رہ گئے
سر جو نیزہ پر چڑھا شبیرؑ کا دونوں عالم سَر جھکا کر رہ گئے
منتظر بچے ہیں اے جانِ علیؑ تم کہاں دریا پہ جا کر رہ گئے
صبرِ عالم اُن کے قدموں پر نثار جو درِ خیمہ تک آ کر رہ گئے
روشنی مقتل میں لاشوں پر کہاں چار تارے جھلملا کر رہ گئے

کربلا پہنچے ہزاروں قافلے
نجمؔ ہم آنسو بہا کر رہ گئے

شہیدِ ظلم

شہیدِ ظلم کلیجے ہلا دیے تُو نے　　حسینؑ درد کے دریا بہا دیے تُو نے
جراحتوں میں نمک بھر دیا تشکّر کا　　اذیتوں میں تبسم کِھلا دیے تُو نے
یہ سر فروشیِ عباسؑ و قاسمؑ و اکبرؑ　　دل و جگر کے خزانے لُٹا دیے تُو نے
زمینِ کرب و بلا پر خلیلؑ کرب و بلا　　ہزار کعبۂ معنی بنا دیے تُو نے
دِلوں کو حوصلۂ غم کی تازگی دے کر　　نشاطِ کفر کے تنور بجھا دیے تُو نے
وفائیں کھائے ہیں ہنس ہنس کے تیر پیاسوں نے　　یہ کیسے جامِ تولّا پلا دیے تُو نے
تمام ناز کے پالے تمام کشتۂ غم　　زمینِ گرم پہ لا کر سُلا دیے تُو نے
زہے کمالِ سیاست کہ زیرِ تیغ آ کر　　نگاہِ خلق سے پردے ہٹا دیے تُو نے
ہوائے ظلم کی موجوں میں سو کے میٹھی نیند　　تفکّرات کے جذبے جگا دیے تُو نے
پہاڑ بن گیا ملّت کو تیرا استقلال　　اُبھر چلے تھے جو فتنے دبا دیے تُو نے
ہر ایک ذرۂ بے حِس میں اِک تڑپ بھر دی　　دماغ وضع کیے دل بنا دیے تُو نے
تڑپ رہی ہے سنہ اکسٹھ سے آج تک دنیا　　وہ صبر و ضبط کے جوہر دکھا دیے تُو نے
سرورِ عشق کی قربانیاں معاذ اللہ　　فضائے درد میں طوفاں اُٹھا دیے تُو نے

مزا ملا ہے وہ دل کو تیری وِلا کے نثار
حیاتِ مجسم کے لمحے بڑھا دیے تُو نے

مجبوریاں

امت ہوئی ہے درپئے آزار کیا کریں
نازک ہے وقت سیدِ ابرار کیا کریں

لے جائے کون مشک خیامِ حسینؑ تک
دریا پہ گھر گئے ہیں علمدارؑ کیا کریں

راہِ جہادِ حق کی مشیت نے روک لی
خیمہ میں رہ کے عابدِؑ بیمار کیا کریں

اطفال مضطرب ہیں وداعِ حسینؑ ہے
منہ دیکھتے ہیں آئینہ رخسار کیا کریں

شبیرؑ کی صدا سے ہے لاشوں کو اضطراب
مجبور ہیں وفا کے پرستار کیا کریں

چُپ رہ گئے ہیں وحشتِ زنداں کو دیکھ کر
اہلِ حرم ہیں نقش بہ دیوار کیا کریں

آیا ہے سرِ حسینؑ کا زندانِ شام میں
غش ہوگئے ہیں طالبِ دیدار کیا کریں

نقشہ یہاں بنا کے تصدق نہ ہوں اگر
ہیں کربلا سے دور عزا دار کیا کریں

سرکارِ اہلبیت کا شاعر بنا دیا
اَب اور نجم طالعِ بیدار کیا کریں

(70)

نوحہ

سر دے کے کربلا میں شۂ انس و جاں رہے　　جس کو جگہ نہ ہو وہ مسافر کہاں رہے
جنگل کو جس نے گورِ غریباں بنادیا　　جنگل میں لُٹ کے یوں نہ کوئی کارواں رہے
کیوں سُوئے نہر دیکھتے مہمانِ کربلا　　سوکھے لبوں پہ شکر رہا تر زباں رہے
چھپ جائیں چاند فاطمہ زہرأ کے خاک میں　　منہ دیکھتی زمین رہے آسماں رہے
کیا چیز تھی جوانیِ اکبرؑ نہ پوچھئے　　ان کا شباب دیکھنے والے جواں رہے
اصغرؑ کا خوں تو چہرہ پہ حضرتؑ نے مل لیا　　مادر کے دِل کا خونِ تمنا کہاں رہے
قربان اے حسینؑ یہ تعلیمِ معرفت　　سجدہ کے ساتھ حلق پہ خنجر رواں رہے
اے چرخ جس کے ہاتھ میں ہو نظمِ کائنات　　وہ کربلا سے شام تلک ساربان رہے

مرکزِ غمِ حسینؑ کا ہندوستاں ہے تجمؔ
آباد پُر بہار یہ ہندوستاں رہے

(71)

نوحہ

کشتۂ کرب و بلا یادِ خدا کر گئے　　اب وہ عبادت کہاں سجدے گئے سر گئے
ہائے ولائے حسینؑ اُف رفقائے حسینؑ　　جنگ ہزاروں سے کی آہ نہ کی مر گئے
ہائے وہ جانِ علیؑ اُف وہ نشانِ علیؑ　　خون میں ڈوبے ہوئے حُسن کے منظر گئے
جانِ دو عالم نثار درد فدا غم نثار　　غم کی نگاہیں گئیں درد کے تیور گئے

فوجوں میں دھنستے ہوئے تیغوں میں ہنستے ہوئے　　عونؑ و محمدؑ گئے قاسمؑ و اکبرؑ گئے
کرب و بلا کانپ اُٹھی راہِ خدا کانپ اُٹھی　　خیمہ سے رونق گئی جھولے سے اصغرؑ گئے
جیسے تہ تیغ تھے رُوح و دلِ کائنات　　مالک صبر و رضا جب تہِ خنجر گئے
غیظ میں کچھ سوچ کر رہ گیا بیمارِ غم　　کوفہ کے در سے خیال تا درِ خیبر گئے

اُن کے تصدق سے نجم قوم ہے سب اہلِ دل
درد ملا اس قدر دامنِ دل بھر گئے

(72)

امتحان

امتحان کچھ اور باقی ہے تو ایسا بھی سہی　　جنگ کے میدان میں اصغرؑ کا جھولا بھی سہی
نوجوانانِ حسینیؑ کی تو ہمت دیکھ لی　　شامیو! لو دودھ پیتا ایک بچہ بھی سہی
مرنے والوں کے لیے کیا کیا نئے سامان ہیں　　تشنہ کامی بھی گوارا قربِ دریا بھی سہی
یاد آجائیں پیمبرؐ جس کی صورت دیکھ کر　　مرنے والوں میں اک ایسا مرنے والا بھی سہی
زندگی میں ناز اٹھائے ہوں گے کتنے آج تک　　دوش پر شبیرؑ کے اکبرؑ کا لاشا بھی سہی
یاد رہ جائے گی غربت کو بھی غربت کی موت　　زیرِ خنجر فاطمہؑ کا لال تنہا بھی سہی
کوئی پہلو رہ نہ جائے آرزوئے ظلم کا　　بے کفن لاشے بھی جنگل بھی اندھیرا بھی سہی
تاقیامت ماتمِ شبیرؑ مٹ سکتا نہیں　　ظلم سب کچھ ہو چکے یہ سعی بے جا بھی سہی

کربلا جانے کا کچھ ساماں نظر آتا نہیں
نجم دل پر ایک یہ داغِ تمنا بھی سہی

(73)

قربانیاں

یہ عنایتوں کی جزا ملی یہ ہدایتوں کا صلہ دیا ۔۔۔ وہ چراغ قبرِ نبیؐ کا تھا جسے کربلا میں بُجھا دیا
یہ حسینؑ تیرا ہی کام تھا کہ سب اپنے لعل فدا کئے ۔۔۔ تجھے ان ستاروں نے ڈوب کر شبِ غم کا چاند بنا دیا
تیری سرفروشی کی شان تھی جو حیاتِ دینِ خدا بنی ۔۔۔ نہ ملا کسی کو حیات میں تجھے موت نے جو مزا دیا
کہو لال کہاں سے لائیں گے جو حسینؑ خیمہ میں جائیں گے ۔۔۔ جسے ماں کی گود سے لائے تھے اُسے زیرِ خاک سُلا دیا
یہ علیؑ کے لال کی ہمتیں یہ سناں و تیر کی دعوتیں ۔۔۔ کبھی نوجواں کا جگر دیا کبھی بے زباں کا گلا دیا
نہ حسینؑ گھوڑے پہ تھم سکے کہ صدا اذاں کی بلند تھی ۔۔۔ وہ نمازِ عصر کا وقت تھا جو زمیں پہ خود کو گرا دیا
وہ جہاد سبطِ نبیؐ کا تھا کہ ابھی زمانے کو یاد ہے ۔۔۔ جو اُٹھے تو قلبِ زمیں ہلا جو گرے تو عرش ہلا دیا
چمن آپ اپنا مٹا گئے کہ بہارِ دینِ خدا رہے ۔۔۔ نہ جما جو رنگ بہار سے تو لہو بھی اپنا ملا دیا
مجھے نجم کوئی کہا کرے میں بلند اوجِ فلک سے ہوں ۔۔۔ مجھے مدحِ آلِ رسولؐ نے مہ و مہر سے بھی بڑھا دیا

(74)

اعجازِ کرم

باقی نہ رہا جب کہ حکومت کا سہارا ۔۔۔ بے چین ہُوا ابن نُمیرِ ستم آرا
دشمن تھے شقی کے در و دیوارِ مدینہ ۔۔۔ بستی میں نہ تھا دخل نہ جنگل میں گذارا
تدبیر سے قسمت کے وہ بدلے ہوئے تیور ۔۔۔ اُترا ہوا وہ قصرِ مذلت میں ستارا
نظروں میں لپکتے ہوئے کردار کے شعلے ۔۔۔ سینہ میں دہکتا ہُوا دوزخ کا شرارا
ہر سمت اِک اعمال کی تصویر بھیانک ۔۔۔ ہر چار طرف موت کا اُنگلی سے اشارا

مظلومیِ شبیرؑ تو یاد آئی نہ ہوگی   بے جرم و خطا کرب و بلا میں جسے مارا

ہر دارد و صادر کی بچاتے ہوئے نظریں   اک رات مدینہ سے کیا اُس نے کنارا

ہمراہ نہ کچھ زادِ سفر تھا نہ سواری   ہمت تھی ٹھہرنے کی نہ تھا کوچ کا یارا

کیا پیاس سے بے چین تھا کیا بھوک سے بیتاب   سامان تھا کھانے کا نہ پانی کا سہارا

کیا تشنۂ لب کرب و بلا یاد نہ آئے   بچوں کی وہ فریاد وہ دریا کا کنارا

رستہ میں ہوا طالبِ امداد کسی سے   اِک سمت کیا اُس کے مخاطب نے اشارا

اک گاؤں میں آشوبِ مدینہ سے نکل کر   ٹھہرے ہوئے تھے سیّد سجادؑ قضارا

مولاؑ کا پتہ دے کے مسافر ہوا راہی   مجبور اُسی سمت بڑھا یہ ستم آرا

اُس گھر پہ گیا آگ تھی جس گھر میں لگائی   منہ جس سے پھرایا تھا اُسی در پہ پُکارا

ظالم نے اسی ہاتھ سے زنجیر ہلائی   جس ہاتھ سے نیزہ علی اکبرؑ کو تھا مارا

آج اُن سے یہ امید کہ دوزخ کو بُجھادیں   کل پیاس بُجھانی نہ ہوئی جن کی گوارا

جس وقت ملا بھائی کے قاتل کا یہ پیغام   مظلوموں کے ماتم میں تھا مظلوم کا پیارا

اُترا نہ ابھی سوگ نہ ٹھہرے ابھی آنسو   اور در پہ ہے قاتل کو حمایت کا سہارا

اب تک ہے وَرم پاؤں پہ کوفے کے سفر کا   دل شام کے غم سے ہے ابھی معرکہ آرا

اغلب ہے کہ مولاؑ نے جگر تھام لیا ہو   کس قہر کا نشتر یہ رگِ دل میں اُتارا

دم توڑتے شاید نظر آئے ہوں پھر اکبرؑ   آنکھوں میں سمٹ آیا ہو مقتل کا نظارا

پھر لاش پہ گرتے ہوئے دیکھا ہو پدر کو   میدان میں زینبؑ نکل آئی ہوں دوبارا

نظروں میں مچلتی ہوئی آئی ہو سکینہؑ   گودی میں اُٹھایا ہو تڑپتا ہوا تارا

جھولے سے ہمکتا ہُوا بے شیر گرا ہو   پھر غش سے یہ چونکے ہوں کہ بابا نے پکارا

واللہ یہ کیا نفس ہے کیا نفس کی قوت   اللہ یہ کیا ضبط ہے کیا ضبط کا یارا

سائل کو سواری بھی ملی زادِ سفر بھی   بس ایک حضوری نہ ہوئی اُس کی گوارا

اس گھر ہی میں اس طرح کی ملتی ہیں مثالیں   اے نجم یہ اعجازِ کرم دیکھ خدارا

یہ نوحۂ غم شرق سے تا غرب سُنا کر
دنیا کو دکھادے کہ یہ آقا ہے ہمارا

تبلیغِ محبت

مظلوم کے ماتم سے دو عالم کو ہلا دو ۔۔۔ نوحہ میں پیامِ لبِ معصوم سُنا دو
کہہ دو کہ اشاعت ہے ہمیں درد کی مطلوب ۔۔۔ مامور ہیں تبلیغِ محبت پہ بتا دو
سمجھاؤ یہ فریاد کی لے غور طلب ہے ۔۔۔ دل رکھتے ہو رونے کو ہنسی میں نہ اُڑا دو
کچھ بھولے ہوئے سے نظر آتے ہیں مسلماں ۔۔۔ پھر اُسوۂ شبیرؑ ذرا یاد دِلا دو
مدّت ہوئی کرتے ہوئے اقرارِ غلامی ۔۔۔ اَب شان بھی کچھ اُس کے غلاموں کی دکھا دو
کیا سوچ میں ہو جادۂ تسلیم بنا کر ۔۔۔ بھٹکے ہوئے انسان کو رستہ پہ لگا دو
کیا جاگ رہے ہو شبِ عاشور اکیلے ۔۔۔ ہم کہتے ہیں سوئی ہوئی دنیا کو جگا دو
شبیرؑ کے سوکھے ہوئے ہونٹوں کا تصدق ۔۔۔ پیاسا ہے زمانہ کی ذرا پیاس بُجھا دو
بات آئی ہے اشکوں پہ تو ہر آنکھ سے ٹپکیں ۔۔۔ اس غم کو جگاؤ غمِ ہستی کو سُلا دو
دل پہلے اگر اپنے ہی پہلو میں ٹٹولو ۔۔۔ ٹھنڈا ہو جہاں خونِ عمل آگ لگا دو
یہ دل کا تڑپنا ہے کہ بیمار کی کروٹ ۔۔۔ کونین بھی تڑپیں جو تڑپنے کی رضا دو
انصارِ حسینیؑ کی تاسّی کا ہے دعویٰ ۔۔۔ ملّت کے پسینے پہ لہو اپنا گرا دو
یہ کوئی نہ کہہ دے وہ جھلک ان میں نہیں ہے ۔۔۔ کچھ اپنی روش سے خبرِ کرب و بلا دو
ہر سال تمہیں یاد دلاتا ہے محرم ۔۔۔ کھوئے ہوئے ہو جس میں وہ ماحول بُھلا دو
ایمان کو ایمان کی صورت میں دکھاؤ ۔۔۔ اسلام کو اسلام کا مصداق بنا دو

کچھ غور کرو تجمّ کے مفہومِ سخن پر
دیوانہ سمجھتے ہو تو مرنے کی دعا دو

عَلَم بدوش

حسینؑ سے ہے دینِ حق حسینؑ دیں پناہ ہے — حسینؑ کا ہر اِک نفس نوائے لاالہٰ ہے
ہر ایک بوند خون کی بذکرِ حق گواہ ہے — جدھر ہوں اُس کے نقشِ پا وہی خدا کی راہ ہے
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

حسینؑ اپنی بات پر جو سر کٹا کے سو گیا — شجاعت اور صبر کے اُصول کو سمو گیا
عرب کی ریگِ گرم میں وفا کا بیج بو گیا — حیاتِ جاوداں ملی جو اُس کے ساتھ ہو گیا
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

نہ صرف اشک و آہ کے ہی کارواں کو ساتھ لو — ضعیف تم سہی مگر دلِ جواں کو ساتھ لو
حسینؑ کا ہے مدعا کہ دو جہاں کو ساتھ لو — زمیں کو ساتھ لے چلے تو آسماں کو ساتھ لو
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

کھلاؤ آشتی کے پھول زندگی کی راہ میں — امانِ بے اماں بنو ستم کی جلوہ گاہ میں
صدائے یاحسینؑ دو فضائے کوہ و کاہ میں — تمام بحر و بر کو لو حسینؑ کی پناہ میں
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

ملازمت کا ہے شرف اگر نبیؐ کی آل سے — اگر ہیں اشک آنکھ میں حسینؑ کے خیال سے
ملا ہے کچھ زہیر کی حبیب کی مثال سے — انہیں کے ربط ضبط سے انہیں کی چال ڈھال سے
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

وہی اگر اُصول ہے وہی اگر شعار ہے — جو پاؤں روبراہ ہیں جو دل بروئے کار ہے
تو خود تمہاری آرزو میں کوئی بے قرار ہے — بہت قریب آچکا ہے جس کا انتظار ہے
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

محبت اُس کی ذات سے ہر اک کا نصب عین ہو — اسی کا مطمعِ نظر شعارِ مشرقین ہو
عمل میں اس کا ساتھ دو کہ اُس کے دل کو چین ہو — زمین سے آسماں تلک حسینؑ ہی حسینؑ ہو
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

بزورِ عشق موت کو وہ زندگی بنا چکا   صداقتِ اصول پر وہ خونِ دل بہا چکا
سب اپنے پارۂ جگر وہ خاک میں ملا چکا   تمہیں ٹھٹک کے رہ گئے وہ اپنی راہ جاچکا
حسینؑ کے فدائیو! علَم بدوش بڑھ چلو
نہ عیشِ تخت چاہیے نہ لطفِ تاج چاہیے   بلند تخت و تاج سے مگر مزاج چاہیے
اسی شہید ظلم کا دلوں میں راج چاہیے   حسینؑ کا علَم ہے یہ علَم کی لاج چاہیے
حسینؑ کے فدائیو! علَم بدوش بڑھ چلو

(77)

اسلام رہے گا

ہر عالمِ نو میں کرمِ عام رہے گا   ہر دُکھ میں دوائے دلِ ناکام رہے گا
دنیائے دگر کے لیے پیغام رہے گا   دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا
مانا کہ زمانے کا رہے گا نہ یہ عالم   ترتیب تمدن کی یہ ہوجائے گی برہم
پھر اور کسی رنگ میں ہوگا تیرا ماتم   دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا
ذرّوں کی زباں پر ہے تیری تشنہ دہانی   تاروں کی ہے دیکھی ہوئی اکبرؑ کی جوانی
بھولے گی نہ فطرت علی اصغرؑ کی کہانی   دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا
سو بار بدل جائیں زمانہ کی فضائیں   پورب سے چلیں گی یونہیں پچھّم کو ہوائیں
دہرائیں گی لوٹے ہوئے خیموں کی صدائیں   دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

آنکھوں سے اگر خون کی ندی نہ بہے گی — دل روئیں گے یُوں رُوحِ وفا کرب سہے گی
تو عین محبت ہے محبت تو رہے گی — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گی
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

دیکھا جو زبانوں کی خموشی کا قرینہ — تاریخ کے اوراق کا پھٹ جائے گا سینہ
سو طرح رُلائے گا محرم کا مہینہ — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

انساں نہ کریں گے جو تیرے حق میں تکلّم — ماتم کی صدا دے گا پرندوں کا ترنّم
آہوں سے بدل جائے گا غنچوں کا تبسم — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

پانی کی جگہ ابر سے برسیں گے شرارے — تڑپیں گے مہ و مہر فلک درد کے مارے
پُرسا تیرا دیں گے تیرے نانا کو ستارے — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

منہ غم سے نکل آئے گا دریا کا ذراسا — پانی یہ کہے گا کوئی مارا گیا پیاسا
ساحل یہ پکارے گا محمدؐ کا نواسا — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

اُٹھ جائے گی ماتم کی اگر رسم زمیں سے — ہوگی نہ کمی غم کی حقیقت میں کہیں سے
چھوٹے گا نہ خوں مادرِ گیتی کی جبیں سے — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

اغلب ہے کہ تُربت میں تڑپ جائے گی مادر — کرّار کے مدفن میں بدل جائیں گے تیور
پھر قبر سے شاید نکل آئیں گے پیمبرؐ — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

اے نجم الٹ جائے گا یہ پردۂ غیبت — نکلے گا ادھر تیغ بکف مرکزِ حجت
کرتی ہوئی ماتم ادھر آئے گی قیامت — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

اَلودَاع

موسمِ غم ختم ہے اے گلعذارو الوداع — الوداع اے فاطمۂ زہرا کے پیارو الوداع
زیرِ خنجر تم نے جلتی ریت پر سجدے کیے — راہِ حق کے سرفرو شو سرگزارو الوداع
پھر ہمارے جیتے جی آنا دیارِ ہند میں — اے ہمارے مرنے جینے کے سہارو الوداع
ہے تمہاری یاد میں بے چین ارضِ کربلا — حفظِ خالق میں دیا جاؤ سدھارو الوداع
تم نے باطل کو مٹایا تم نے حق چمکا دیا — آسمانِ حریّت کے ماہ پارو الوداع
اپنی جانیں دے کے تم نے روح تازہ پھونک دی — ملّتِ اسلامیہ کے جاں نثارو الوداع
حشر میں آنا یونہی خونیں کفن پہنے ہوئے — دودمانِ مصطفیٰؐ کے وضعدارو الوداع
رخصت اے گہوارۂ بے شیر و تابوت و ضریح — الوداع اے درود غم کی یادگارو الوداع
اشک ماتم کے سوا کچھ نذر کے قابل نہیں — دردِ دل کی سلطنت کے تاجدارو الوداع
جان و دل قرباں ذرا کہدو اب اعجاز سے — اے شہیدِ کربلا کے سوگوارو الوداع

نجم کو بھی یاد رکھنا دارو گیر حشر میں
اے زمینِ کربلا کے چاند تارو الوداع

درشن کا اُجالا

درشن کا اُجالا لے کے چلے آنکھوں میں اندھیرا چھوڑ گئے
اکبرؑ کو کہاں کی جلدی تھی بابا کو اکیلا چھوڑ گئے

تیرہ سو برس سے چرچے ہیں ان جیوٹ مرنے والوں کے
تڑپے نہیں خود خنجر کے تلے دنیا کو تڑپتا چھوڑ گئے

اصغرؑ کو تھی رن کی دُھن میں کہاں ماتا کے دھڑکتے دل کی خبر
ننھے سے سپاہی خیمے میں ٹھہرا ہُوا جھولا چھوڑ گئے

تلوار وہ روکی پیاسوں نے دریا کو لہو سے پاٹ دیا
پیاسے تو گئے دریا سے مگر اِک خون کا دریا چھوڑ گئے

عباسؑ نے دریا چھین کے بھی بچوں ہی کی خاطر مشک بھری
پیاسے تھے مگر پیاسے ہی پھرے دریا کو چھلکتا چھوڑ گئے

سب اپنی کمائی لے کے گئے کس ڈھب کے یہ جانے والے تھے
کچھ کوکھ جلی رانڈوں کے لیے اِک موت کی آشا چھوڑ گئے

قیدی تو بہت سے دیکھے ہیں پوچھے کوئی اُن کے جی سے مگر
جو گود کے پالے بچوں کو میدان میں سوتا چھوڑ گئے

سنتا ہے جو دھرتی روتا ہے ہردیس میں ماتم ہوتا ہے
کچھ کام وہ ایسا کر کے گئے کچھ نام وہ ایسا چھوڑ گئے

سرکاٹ کے کوفے والوں نے یہ اور نیا اپرادھ کیا
میدان کی جلتی ریتی پر شبیرؑ کا لاشا چھوڑ گئے

کربل کی انوکھی دھرتی سے نردوش مسافر یثرب کا
سانچی تھی جو مہما لے کے اُٹھے جھوٹی تھی جو مایا چھوڑ گئے

اب سوگ ہے رہتی دنیا تک سنسار نے ایسا جوگ لیا
جیون میں رچے ہردے میں بسے ٹھکرا کے جو دنیا چھوڑ گئے

سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دوہے ہیں کچھ نوحے ہیں
تجھی یہی مایا لائے تھے تجھی یہی مایا چھوڑ گئے

اللہ والے

وہ جنگل میں یثرب کی گودی کے پالے　　قیامت ہے تیغِ جفا کے حوالے
وہ عونؑ و محمدؑ وہ اکبرؑ وہ قاسمؑ　　نگاہیں اجل کی نگاہوں میں ڈالے
وہ جینے کے دن سن وہ مرنے کی جلدی　　مُسافر انوکھے ارادے نرالے
وہ بچوں کے تیور وہ ماؤں کی ہمت　　وہ گودوں کی دولت خدا کے حوالے
وہ پیاسوں کی امید تیروں کی زد پر　　وہ عباسؑ مشکِ سکینہؑ سنبھالے
وہ مسلک وفا کا محبت کا مقتل　　جوانوں میں شامل وہ بوڑھے وہ بالے
وہ قرآں کی تبلیغ پیاسی رگوں سے　　لبوں پر تلاوت زبانوں پہ چھالے
وہ تیغوں پہ سجدے وہ سجدوں پر تیغیں　　وہ خنجر گلوں پر وہ سینوں پہ بھالے
وہ زخموں کی کثرت وہ بارش لہو کی　　وہ فوجوں کے بادل میں دھنس جانے والے
عزیز ان کے قلبوں کو حق کی حمایت　　حقیر ان کی نظروں میں شامی رسالے
وہ تیغوں سے ٹکڑے وہ تیروں سے چھلنی　　وہ بندوں کے مولا وہ اللہ والے
کلیجوں میں نیزے لبوں پر تبسم　　اذیّت کو راحت کے سانچے میں ڈھالے
رضائے خدا پر جو سب کچھ لٹادیں　　رضائے خدا جن کو اپنا بنالے

اسی دھن میں نالے کیے جاؤ نجمی
یہ نوحے ہیں دل کو ہلا دینے والے

صبرورضا

ظُلم کی دنیا سے بیعت کے پیام آتے رہے — مالکِ صبرو رضا شبیرؑ ٹھکراتے رہے
وہ جوانانِ حسینیؑ کے ارادوں کا شباب — جب تلک آئے اجل تیور پہ بَل آتے رہے
صبح سے اتنے وفا کیشوں نے کٹوائے گلے — شام تک اہلِ ستم کے حوصلے جاتے رہے
ہل گیا دشتِ بلا قدموں نے جنبش بھی نہ کی — تین دن کی پیاس میں تیرِ ستم کھاتے رہے
جن کو چلنا بھی نہ آتا تھا وہ آئے گود میں — اپنے قدموں آنے والے عصر تک آتے رہے
ظلم کی بھی انتہا تھی صبر کی بھی انتہا — کٹ گئیں سوکھی رگیں کونین تھراتے رہے
مُسکرا کر ایڑیاں رگڑیں زمیں کے فرش پر — موت کی آغوش میں جزار اٹھلاتے رہے
پاس کتنا تھا شہیدِ کربلا کو قوم کا — زیرِ خنجر بھی دعا سے یاد فرماتے رہے
پھول سے بچوں نے کیونکر قید کی ایذا سہی — کس طرح اہلِ حرم بچوں کو بہلاتے رہے
کربلا کے ظلم کی تفسیر تھے کمسن اسیر — راستہ بھر دیکھنے والوں کو تڑپاتے رہے
خون میں ڈوبے ہوئے سرنیزوں سے شام تک — انقلابِ عام کے احکام پہنچاتے رہے

حشر میں انجام کیا ہوتا ہے نجمی دیکھئے
پوچھتے ہیں وہ بھی شاعر جن کے کہلاتے رہے

کارِنمایاں

خدا کی راہ میں کارِ نمایاں ایسے ہوتے ہیں — تہِ خنجر کیے سجدے مسلماں ایسے ہوتے ہیں
وہ پیاری پیاری شکلیں دیکھ کر آلِ پیمبرؐ کی — ستاروں نے کہا اے چاند انساں ایسے ہوتے ہیں
حسینیؑ قافلہ اے کربلا پیاسا گزرتا ہے — عطش پر صبر کر لیتے ہیں مہماں ایسے ہوتے ہیں
جوانی رَن سے کہتی آرہی ہے لاشِ قاسمؑ پر — کہ اسلامی جوانمردوں کے ارماں ایسے ہوتے ہیں
مُسافر کا تن بے سر ہے اور شب کا اندھیرا ہے — کسی کی لاش پر گیسو پریشاں ایسے ہوتے ہیں
قدم پر شہؑ کے دم نکلا حبیب ابنِ مظاہر کا — محبت کے وفا کے عہد و پیماں ایسے ہوتے ہیں
ہزاروں سے ترائی چھین لی جب ایک پیاسے نے — لبِ ساحل پکارے مردِ میداں ایسے ہوتے ہیں
یہ مرنا تجھ کو ابن عوسجہ کے لال زیبا تھا — وفاداروں کے لختِ دل مری جاں ایسے ہوتے ہیں
نوائے شکر سجادِؑ حزیں اور شام کی منزل — سکون و صبر کے مہرِ درخشاں ایسے ہوتے ہیں
سَلاسل اور اک بیمار قیدی ہی سہی لیکن — کوئی دیکھے تو قیدی پا بجولاں ایسے ہوتے ہیں
خراجِ اشکِ حسرت لے لیا دربارِ قاتل سے — مقرِر بزمِ دشمن میں درخشاں ایسے ہوتے ہیں
خدا ہی جانے دل سے کیا ہو گا نگاہوں نے — سکینہؑ کو خبر کیا تھی کہ زنداں ایسے ہوتے ہیں

سُنا کر نجم قصہ کربلا والے شہیدوں کا
مسلمانوں کو سمجھا دو مسلمان ایسے ہوتے ہیں

(83)

جگت گرو

اب حسینؑ اکیلے ہیں لُٹ چکی جو مایا تھی — کربلا کی دھرتی پر تھک کے سوگئے ساتھی
تیر ایسے آتے تھے جیسے مینہ برستا ہو — تین دن کے پیاسوں پر کیا لہو کی برکھا تھی
رُوم جھوم دنیا ہے آج اُن کی سیوا میں — کیا انوپ سیوک تھے کیا انوپ سیوا تھی
سورما جو ریتی پر سر کٹائے سوتے تھے — اُن کے پاس چرنوں میں سر جھکائے دنیا تھی
دُکھ بھری کہانی ہے چھ مہینے والے کی — لاڈلے تھے ماں کی میں آسرے میں ماتا تھی
خاک پر نبیؐ زادہ گھر لٹائے بیٹھا ہے — سب اُسی کو دے ڈالی جس دھنی کی مایا تھی
اُس کی تیغ کا چم خم رن کی جگمگاہٹ تھا — گرم ریت پر سجدے زندگی کی شوبھا تھی
اس کے دشمنوں کو بھی سکھ ملا نہ دُکھ دے کر — آنکھ میں نہ ہوں آنسو ہر دلوں میں دُبدھا تھی

فاطمہؑ کا مہ پارا ہے جگت گرو جگ جی
آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ بپتا تھی

(84)

اے حسینؑ

صبر اور تلوار کی حامی ہے دنیا اے حسینؑ — اب تیرا طرزِ عمل ہے کارفرما اے حسینؑ
اے تعالیٰ اللہ تیور کی جلالت بڑھ گئی — رہ گیا جس وقت تو میداں میں تنہا اے حسینؑ
تین دن کی پیاس نے مارا تیرے انصار کو — لاکھ پر بھاری تھا اِک اِک مرنے والا اے حسینؑ
منتظر تھے اِک اشارے کے زمین و آسمان — کیا تیرے قدموں میں آجاتا نہ دریا اے حسینؑ

سارے آلام و مصائب پست ہو کر رہ گئے　　مستقل تھا کس قدر تیرا ارادہ اے حسینؑ
عالمِ انسانیت کو آخری تنبیہہ تھی　　استغاثہ جس کو سمجھا تھا زمانہ اے حسینؑ
آخری جیسے گرج ہوتی ہے زخمی شیر کی　　آج تک ہے جس کے سناٹے میں دنیا اے حسینؑ
زخم تن پر داغ دل پر نعشِ اصغرؑ گود میں　　کس قیامت کا ہے یہ تیرا سراپا اے حسینؑ
تیغ گردن پر جگر میں آگ دریا سامنے　　یوں کوئی مارا گیا ہوگا نہ پیاسا اے حسینؑ
خونِ دل خاک تمنا ریگ گرم کربلا　　یہ زمین اور یہ جبینِ سجدہ فرما اے حسینؑ
اب ہیں اکبرؑ کی بلائیں لینے والے سینکڑوں　　آج شق ہوتا ہے ہر ماں کا کلیجہ اے حسینؑ
تیرے اصغرؑ کے پرستاروں کی اب گنتی نہیں　　کتنی گودوں میں ہے وہ ننھا سا بچہ اے حسینؑ
ضبط پر بالی سکینہؑ کے تڑپ جاتے ہیں دل　　کیا ذرا سی جان کو سمجھا دیا تھا اے حسینؑ
خون میں ڈوبے ہوئے ٹکڑے پہ صدقے کائنات　　اے نبیؐ کے لاڈلے اے ماہِ زہراؑ اے حسینؑ
تہنیتہ مجلس کا تیری کارواں در کارواں　　تیرے ماتم کی دھمک صحرا بہ صحرا اے حسینؑ
اے محبت کے ستارے دل اُلٹنے ہی کو ہیں　　خون رونے ہی کو ہے چشمِ تماشا اے حسینؑ

تجمؔ کے دل سے نہ آئیں لب پہ نالے یہ اگر
کیا عجب ہے منہ کو آجائے کلیجہ اے حسینؑ

(85)

سَت جگ کا ستارہ

پربھو نامے گلا کٹایو گھر بھر دیو لٹائے　　سَت کی رکھشا ایس کری کلجگ سیس نوائے
تُمسا ایک نہ تِکسا کوئی گُجرے بہت حسین　　ایسی لیلا رچ گئے کہ تم بن جگ بے چین
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
جگ کو دُکھ میں پائے کے چھوڑا آپن گاؤں　　بن میں ڈیرے ڈال دیے دیکھی دھوپ نہ چھاؤں

کیسو رَن کے جاتری ساتھ لیو پروار   سارے گھر کی لاڈلی چھوڑ گیو بیمار
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
کیا کیا بالک گود کے کیا کیا تنت جوان   دتا ہر کے نام پر خوب دیا بلدان
جھولے کا اک جھولن ہارا ایک اٹھارہ سال   اکبرؔ جیسا لاڈلا اصغرؔ جیسا لال
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
ایسا کس سردار کو ملا علم بردار   ہاتھ کٹے جب شانوں سے تب چھوٹی تلوار
ہاتھن آگے بڑھ گیا دانتن مشک دبائے   جیسے شیر شکار کو منہ میں داب جائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
سگری باڑی دھوپ میں سوکھ گئی بن نیر   کھیتی پیاسی نیر کی تس پر برسے تیر
ہنس ہنس ایسا پُن کیا پھوٹ کے رویا پاپ   سارا باگ لٹائے کے کھیت رہے پھر آپ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
تم بھوکے پیاسے خیمے سے جب نکلے شیر سمان   بڑے بڑے بلونت سپاہی چھوڑ گئے میدان
گھائل دیہی گھام عرب کی تین دنا کی پیاس   کربل بن کے لڑنے والے کس بدھ رہے حواس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
تِس تِس مکھڑا کھلت رہا جس جس باڑھی دھوپ   پیاس بڑھی سنتوش بڑھا دونا چمکا روپ
من میں ایسی شانتی کوؤ کہاں سے لائے   لاکھن کشٹ اٹھائے کے ایک نہ نکسی ہائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
پاپی جگ کے پاپ کا کوئی نہ سوجھا توڑ   کیسے کیسے دھرم پجاری بیٹھ گئے جی چھوڑ
آپس لہو بہائے کے تم نے بدلا رنگ   نام آگیا آکاش تک دھرتی رہ گئی دنگ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
آنن تھا حال گریب کا جیسے جیتی لاش   دھن دولت کے زور نے دھرم کیا تھا ناش
ایسی کرنی کر گئے نشچے بھیا سماج   جھوٹا کھیل بگاڑ کے رکھ لی ست کی لاج
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

بستی بستی جنگل جنگل آج تمھارے میت　　اُبھری شکتی پریم کی بھٹی ہار کی جیت
ہندو مسلم راجا پرجا جن دیکھو گن گائے　　من کو ہیرا پائے کے سبھی لیو اپنائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
آنسو نکسے نین سے من سے نکسی کھوٹ　　سائیں تمھرے نام کی پڑی کراری چوٹ
بجلی چمکی پریم کی جیو بھیا اوجیار　　بادل گرجے ماتمی چیخ پڑا سنسار
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
سوامی کتنے دور تے لگا پریمی بان　　اٹھی لہر فرات سے پہنچی ہندوستان
بھومی رام کرشن کی کربل کا سندیس　　آنسو تمھرے سوگ اور گنگا جمنی دیس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
سب ہی کشٹ اٹھائے کے گئے علی کے لال　　بھارت سیوک بھوک کی آج کریں ہڑتال
ان سے جب ان بن بھئی من سے نکسے بین　　تجّی ست کی ٹیک پر پیاسے لڑے حسینؑ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

(86)

عازمِ نجف

جاتے ہو کہاں دوش پہ زلفوں کو سنبھالے　　مقتول کی مظلوم کی آغوش کے پالے
نازک ہیں بہت پاؤں میں پڑجائیں گے چھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
یہ قصۂ غم سیدِ والا سے کہوگے　　لوٹا ہے مسلمانوں نے دادا سے کہوگے
اسلام کہیں شرم سے گردن نہ جھکالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
تم جادۂ تسلیم کے ہو رہبر و راہی　　کیا بن گئی دل پر خلفِ شیر الٰہی

نکلے ہو بڑے غیظ میں بل ماتھے پہ ڈالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
غصّے میں نہ آنا کہیں للّلہ خو زادے   معلوم نہیں تم کو لعینوں کے ارادے
اللہ تمھیں تیغ سے قاتل کی بچالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
تم جانِ شجاعت ہو یہ کہنا نہیں بے جا   جرار ہو رکھ دوگے سنانوں پہ کلیجا
کیا چیز ہیں نظروں میں چمکتے ہوئے بھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
گھبرا کے اس آفت سے کہیں دور نہ جانا   اولاد پیمبرؑ کا مخالف ہے زمانا
رستوں کو ہیں روکے ہوئے کوفے کے رسالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
کس طرح مدینے کا چمن یاد نہ آئے   کیوں شامِ غریباں میں وطن یاد نہ آئے
پردیس میں آتے ہی پڑے جان کے لالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
یہ عالِم اسلام میں کیا آگ لگی ہے   خیموں میں قیامت ہے بپا آگ لگی ہے
ماں ڈھونڈتی آئے گی کلیجے کو سنبھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
چھایا ہوا ہے خوابِ اجل کھوئے ہوئے ہیں   جو چاہنے والے تھے وہ سب سوئے ہوئے ہیں
ہے کون جو آکر تمھیں گودی میں اُٹھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

مقتل میں ذرا گورِ غریباں تو بنادو   لاشے تو شہیدوں کے تہِ خاک چھپا دو

کشتے یہ غریبوں کے کیے کس کے حوالے

قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

گذری ہے جو غربت میں وہ دنیا کو سنادو   کوفے کو چلو شام کی بنیاد ہلادو

قاتل نہ زمانے سے کوئی ظلم چھپالے

قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

تاریخ میں رہ جائے گی یہ چاند کی صورت   اس عہد سے چمکو گے یونہی تا بہ قیامت

باطل کے اندھیرے حقیقت کے اُجالے

قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

(87)

حُسینیتؑ

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

گھر بھر نے اپنی جان کی بازی لگائی ہے   یہ قومیت کا درد یہ مشکل کشائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

چھینٹے دیے ہیں خون کے اور اپنے خون کے   جب کربلا میں آنچ صداقت پہ آئی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

عاشور کا وہ دن وہ ضعیفی کا معجزہ   کیسے جوان شیر کی میت اٹھائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

میدان میں حسین کی آنکھوں کے سامنے   اصغرؑ کی پیاس تیرِ ستم سے بجھائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

کیسا گلوئے خشک سے دریا اُبل پڑا   کیسی لہو میں چاندسی صورت نہائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

اُس دستِ حق پرست پہ دونوں جہاں نثار   بچے کی اپنے ہاتھ سے تربت بنائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

بچوں کی تشنگی کوئی سقہ سے پوچھتا   دریا پہ جس نے خون کی ندی بہائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

برچھی اٹھی تھی جو دلِ اسلام کے لیے   بانو کے لاڈلے نے کلیجے پہ کھائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

ہر یادگارِ سیدۂ کائنات نے   مردانہ وار گود کی دولت لٹائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

بھیجا ہے قتل گاہ میں گیسو سنوار کر چہروں کی تابشوں سے زمیں جگمگائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

آئے ہیں جان دینے کو دولھا بنے ہوئے اک اک حسیں نے موت سے شادی رچائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

ہر لاش پر گرے ہیں محبت کے اشکِ غم بالیں پہ ہر جری کے وفا مسکرائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

سر رکھ دیا ہے جب تہہِ خنجر حسین نے کانپا ہے آسمان زمین تھرتھرائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

چہرے اُتر گئے ہیں غریبوں کے وقتِ عصر خیمے کی خامشی میں اک آواز آئی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

ڈنکے بجا دیے ہیں صداقت کے خلق میں شبیرؑ کا ہے نام خدا کی خدائی میں

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

آبادیوں کے عالمِ حیوانیت سے دور انسانیت کے نام کی بستی بسائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

یہ حریت کا نور مساوات کی جھلک سب کربلا کے چاند کی جلوہ نمائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

ٹھکرا دیا ہے آپ ہی اس کج کلاہ نے کچھ بات یہ نہیں ہے کہ دُنیا پرائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

نجمی حسینیت کی طرف جھک رہے ہیں دل مصروفِ غور و فکر میں ساری خدائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

تیرہ سو برس بعد

اے صاحبِ دل واقفِ اسرارِ زمانہ   اے حکمت و تدبیر و سیاست میں یگانہ
تاریخ کا سب ہے تیری نظروں میں خزانہ   سُن ہم سے یہ اعجازِ حسینؑ کا فسانہ
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

وہ درد ہے دل جس کو بھلا ہی نہیں سکتا   وقت اس کی حدود کو کہیں پا ہی نہیں سکتا
ہاتھ اس کو زمانے کا مٹا ہی نہیں سکتا   پانی کبھی یہ آگ بجھا ہی نہیں سکتا
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

اے دوست زمانے کی ہر اک چیز ہے فانی   تا حشر رہے گی مگر اس غم کی جوانی
سو رنگ سے آفاق میں ہے مرثیہ خوانی   ہر درد میں اس درد کی ہے یاد دہانی
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یہ غم دلِ انساں میں ہے فطرت کی امانت   اس غم نے سکھائی ہے صداقت کی حمایت
اس غم کے سہارے سے ابھرتی ہے شجاعت   بیکس کی یہ تلوار ہے مظلوم کی طاقت
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

کچھ خون ہے پھیلے تو دو عالم کو ڈبو دے   کچھ خاک ہے انفاس کی لہروں کو جو دھو دے
جذباتِ محبت کو شجاعت میں سمو دے   انسان نظر ڈال کے بُو سونگھ کے رو دے
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

پوشیدہ ہیں اس خاک میں قدرت کے خزانے اعجاز دکھائے ہیں بہت خاکِ شفا نے
سننے سے یقیں جس کو نہ ہو دیکھ کے مانے عشرہ کو لہو دیتے ہیں تسبیح کے دانے
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

صدیوں سے ہے دنیا میں یونہی معرکہ آرا کوئی تو حقیقت ہے جو ہے دل کو گوارا
رُکتا نہیں اس درد کے طوفان کا دھارا قدرت کا ہے خود اس کی اشاعت میں سہارا
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

مرتا ہے جو فرزند کسی کا کوئی خوش خو یاد آتا ہے ماں باپ کو ہر چند وہ گل رو
دو چار برس بعد نکلتے نہیں آنسو شبیرؑ کا غم ہے کہ بدلتا نہیں پہلو
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یہ مجلسِ غم ظلم مٹانے کے لیے ہے دنیا کو راہِ راست دکھانے کے لیے ہے
انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے محدود نہیں سارے زمانے کے لیے ہے
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

لو ہم سے محبت کے خزانوں کی مثالیں ایثار و صداقت کے نشانوں کی مثالیں
حق بات پہ لٹتی ہوئی جانوں کی مثالیں بچوں کی ضعیفوں کی جوانوں کی مثالیں
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

وہ دشتِ بلا وہ ستمِ تشنہ دہانی وہ خشک گلے اور وہ تلوار کا پانی
مٹتی ہوئی ایک ایک پیمبرؐ کی نشانی دیکھیں تو بھلا دے کوئی اکبرؑ کی جوانی
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

جنگل میں بہا خون بہتّر کے گلے کا   ساحل پہ علم دار دلاور کے گلے کا
سجدے میں لہو سبطِ پیمبرؑ کے گلے کا   تیر آج بھی دل دوز ہے اصغرؑ کے گلے کا

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

پیاسے تھے مگر آئے تھے گھوڑوں کو ڈپٹ کر   بچے بھی رہے رَن میں جوانوں سے نہ گھٹ کر
آئی جو اجل سر پہ تو دیکھا نہ پلٹ کر   جاتے ہیں یہ منظر کہیں تاریخ سے ہٹ کر

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

سب چھوڑ گئے وقت پہ عیسیٰؑ کو حواری   شبیرؑ کے انصار نے کی جان نہ پیاری
تنہائی پہ آقا کی یہ عالم ہوا طاری   سنتے ہیں کہ تھرائے تھے لاشے کئی باری

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

پانی پہ نظر پڑتے ہی یاد آتے ہیں پیاسے   بچوں کی وہ تکلیف جوانوں کے دلاسے
بیگانہ کوئی لاکھ ہو مجلس کی فضا سے   دل آپ دہل جاتے ہیں ماتم کی صدا سے

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

دنیا جو روا دار نہیں جی نہ کڑھاؤ   آنکھیں ہیں یہاں فرش کہیں دور نہ جاؤ
اے ہند کے مزدور سپوتو! ادھر آؤ   مظلوم ہو مظلوم سے دل اپنا لگاؤ

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یاں قوم کا جھگڑا ہے نہ مذہب کی لڑائی   مولاؑ کے عزادار سب آپس میں ہیں بھائی
کل جس نے غریبوں کے لیے جان گنوائی   منظور اسے آج بھی ہے عقدہ کشائی

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یاں نام کی ہے شرط نہ قصہ ہے نسب کا — تنہا وہ عجم کا ہے نہ تنہا وہ عرب کا
ہندو ہوں کہ مسلم ہوں وہ غمخوار ہے سب کا — ہوتا ہے اُسے درد غریبوں کے تعب کا

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

رُت ہند کی بدلے گی محرم کی بدولت — تجھی یہ بہار آئے گی ماتم کی بدولت
ل بیٹھیں گے پھر سیّدِ عالم کی بدولت — احساسِ حیات آئے گا اس غم کی بدولت

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

(89)

حسینیؑ درشن

سنسان تھی بستی یثرب کی کربل میں نبیؐ کا جایا تھا — اپنے ہی لہو کے پیاسوں میں وہ پریم سندیسا لایا تھا
مکھڑے پہ کھنچی تلواریں تھیں اور سورج سر پر آیا تھا — کیا دھرتی رن کی تپتی تھی جب پاؤں کے نیچے سایا تھا
یوں روگ منانے دنیا کا یہ کون بردگی آیا تھا — سنسار ہی کو سکھ دینا تھا سنسار ہی سے دُکھ پایا تھا
جب دونوں جگ کے مالک سے یہ دنیا آنکھیں موندے تھی — شبیرؑ نے گر کر سجدے میں اللہ کو پہچوایا تھا
تیغوں کی چمکتی بجلی تھی اور شام کی سینا دل بادل — وہ چھایا ہوا تھا بادل پر وہ بجلی سے ٹکرایا تھا
اُپدیش کے کول شبدوں سے اب تک بھی دلوں میں گرمی ہے — اس چاند نے اپنی کرنوں کو سورج کی طرح پھیلایا تھا
سب گود کے پالے وار دیے سب چاہنے والے وار دیے — جینے سے نظر یوں پھیری تھی اور موت کو یوں اپنایا تھا
جب کھائی تھی برچھی اکبرؑ نے جب تیر لگا تھا اصغرؑ کے — آنکھوں پہ کسی کا بس ہی نہ تھا من کون طرح سمجھایا تھا
کیا بانکے ترچھے تیور تھے ان پیاسے مرنے والوں کے — کیا دھوپ کڑی تھی جنگل کی کیا مکھڑوں پر روپ آیا تھا
پردے سے دھواں سا اٹھتا ہے کیا آگ لگی ہے پانی میں — مہمان کو کوفہ والوں نے پانی کے لیے ترسایا تھا
سب جانے ہی جانے والے تھے میدان سے آتا کون ادھر — اکبرؑ کی سنائی آتی تھی اصغرؑ کا بلاوا آیا تھا
اس دیس کی آنکھیں بھی تجھی پیاسی تھیں حسینیؑ درشن کی — بھارت میں اجالا پہنچا ہے کربل میں درس دکھلایا تھا

راہِ خدا

ملّت کا شیدا حق کا شناسا پیارے نبیؐ کا پیارا نواسا
دریا کنارے دو دن کا پیاسا
مارا گیا ہے راہِ خدا میں
یہ کربلا کی مہمان نوازی یہ کوفیوں کی ہنگامہ سازی
کیسا مجاہد کیسا نمازی
مارا گیا ہے راہِ خدا میں
کرب و بلا میں یثرب سے آ کے بھٹکے ہوؤں کو رستہ بتا کے
انسانیت کا پیغام سُنا کے
مارا گیا ہے راہِ خدامیں
اک اک وفا کے پیکر کو لے کر اکبرؑ کو لے کر اصغرؑ کو لے کر
ہمراہ اپنے گھر بھر کو لے کر
مارا گیا ہے راہِ خدا میں
وہ ہل اتا کے گھر کا اجالا وہ لافتا کی گودی کا پالا
تقدیس والا تطہیر والا
مارا گیا ہے راہِ خدا میں
چہرے پہ کیسی تابندگی ہے مظلومیت کی پائندگی ہے
لاشے سے پیدا کیا زندگی ہے
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

اہلِ حرم کے دل ہیں نرالے بیٹھے ہوئے ہیں کیا غم سنبھالے
چُپ رہ گئے ہیں سب رونے والے
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

بستی سے کہہ دو صحرا سے کہہ دو خشکی سے کہہ دو دریا سے کہہ دو
مظلوم ہے وہ دنیا سے کہہ دو
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

ہونا ہے اس کے جادہ پہ راہی بیدار ہوجا اے کج کلاہی
فوجِ خدا کا نامی سپاہی
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

اے نجم دیکھو یہ حق نمائی اللہ اس کے غم کی رسائی
دردِ آشنا ہے ساری خدائی
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

(91)

حسینؑ کی دولت

یثرب کی نینوا کے ستم پر نظر نہیں گھر کس کا لُٹ رہا ہے کسی کو خبر نہیں
آئی اگر تو ایسی قیامت نہ آئے گی عشرہ کی صبح صبح قیامت اگر نہیں
کیسا خزاں نے لوٹ لیا اس بہار کو وہ کونسا جواں ہے جو رشکِ قمر نہیں
پیشِ نظر حسینؑ کے ہیں دوجہاں مگر اللہ پر نظر ہے کسی پر نظر نہیں
انصار ہیں حسینؑ کے دونوں سے بے نیاز جینے کی آرزو نہیں مرنے کا ڈر نہیں
سوتے ہیں جلوہ گاہِ مودّت میں سرفروش دل اُن کے پہلوؤں میں ہیں شانوں پر سر نہیں

جانیں نثار کر کے بچایا ہے دینِ حق ‏ ‏پھر کیا ہے یہ حسینؑ کی دولت اگر نہیں
یوں آگ دے رہے ہیں مسلماں خیام میں ‏ ‏جیسے یہ گھر نبیؐ کے نواسے کا گھر نہیں
ماتم کل اُس کے سارے زمانے میں دیکھنا ‏ ‏لاشے پہ جس کے آج کوئی نوحہ گر نہیں
غم ہے وہاں حسینؑ کا انساں ہیں جس جگہ ‏ ‏عالم میں یہ شہید کہاں جلوہ گر نہیں

اشکِ عزا کی تہ میں ہے طوفاں چھپا ہوا
دنیا میں تجھ چشم حقیقت مگر نہیں

(92)

حسینؑ کارواں

حسینؑ ابنِ علیؑ اسلام کا دردِ نہاں سمجھے ‏ ‏خدا کی راہ میں یہ موت کو آرام جاں سمجھے
سلام انسان کا تا حشر انصارِ حسینؑ پر ‏ ‏جنھیں اہلِ نظر انسانیت کا پاسباں سمجھے
کہاں دنیا میں ایسے مرنے والے باوفا ایسے ‏ ‏اجل کا جب پیام آیا نویدِ ناگہاں سمجھے
لبوں پر جان تھی جس وقت سر تھا پائے مولاؑ پر ‏ ‏جری اس ایک لمحہ کو حیاتِ جاوداں سمجھے
سنا جائے نہ قصہ کربلا کے تشنہ کاموں کا ‏ ‏جو کوئی سننے والا موجِ دریا کی زباں سمجھے
وہ سمجھانا بزرگوں کا وہ صبر و ضبط بچوں کا ‏ ‏خدا آگاہ ہے کس طرح یہ تشنہ دہاں سمجھے
اجازت رن کی لے آئے کہ دل میں دردِ ملت تھا ‏ ‏مگر جو ماں کے دل کا درد تھا اکبرؑ کہاں سمجھے
نہ تڑپائے اُسے کیونکر نمازِ عصر عاشورہ ‏ ‏جسے لطفِ نماز آئے جو پیغامِ اذاں سمجھے
ہم اُس آواز ہل من ناصر پر کیوں نہ قرباں ہوں ‏ ‏جسے جھولے میں اک بے شیر سمجھے بے زباں سمجھے
تصدق میں شہیدانِ وفا کے وہ بھی دن آئیں ‏ ‏حسینؑ کارواں کا رُخ یہ قومی کارواں سمجھے
شہیدِ کربلا سے سیکھ لے جینا بھی مرنا بھی ‏ ‏جو اپنی زندگی کو قوم کی روحِ رواں سمجھے
رہے خالی جو فکرِ منقبت سے ذکرِ مولاؑ سے ‏ ‏وہ لمحے زندگی کے تجھ ہم نے رائیگاں سمجھے

غم کا منظر

ڈھلا عاشور کا دن فاطمہؑ کا لال تنہا ہے
چراغِ قبرِ پیغمبرؐ کے بجھتے ہی اندھیرا ہے

اُداسی ہی اُداسی ہے تمام آیاتِ قدرت پر
کہ جیسے عالمِ انوار بھی دو دن کا پیاسا ہے

چلا جاتا ہے سورج سر جھکائے جانبِ مغرب
وفورِ درد سے اُترا ہوا دنیا کا چہرا ہے

یہ دشت و در یہ بحر و بر یہ خشک و تر ارے توبہ
زمیں شعلے اگلتی ہے لہو کا مینہ برستا ہے

لبِ فطرت کی ہے فریاد یا خیموں کی آوازیں
ہوا کی تیز لہروں میں صدائے واحسیناؑ ہے

رسالت کا قمر اوڑھے ہوئے ہے خون کی چادر
لہو میں تر نشانِ لشکرِ حق کا پھریرا ہے

جو زخموں پر نظر پڑتی ہے اس تنہا مجاہد پر
ابھی تک ہاتھ میں تلوار ہے میداں پہ قبضہ ہے

نظر میں ہیں اِدھر انصار کے لاشے اُدھر خیمے
اکیلا غم کے منظر میں پیمبرؐ کا نواسا ہے

وہاں ذرّے تڑپتے ہیں جہاں ہے لاشۂ اکبرؑ
جہاں ہے قبرِ اصغرؑ کی زمیں کا دل دھڑکتا ہے

یہ جیتی جاگتی دنیا یہ لاشیں دل کے ٹکڑوں کی
جدھر دیکھو خموشی ہے جسے دیکھو وہ سوتا ہے

وہ جا ہے تو زمیں ہے آسماں ہے چاند سورج ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ کے جاں نثاروں کی کمی کیا ہے

کچھ ایسا پاسِ غیرت ہے کچھ ایسا دردِ بے تابی
درِ دولت کا پردہ گاہ گرتا گاہ اٹھتا ہے

اِدھر پیاسے ہیں بچے اِس طرف ہیں تراب ساحل
اُدھر خالی ہیں کوزے اُس طرف بھرپور دنیا ہے

مسلسل تیر آتے ہیں قریب آتے نہیں ظالم
کہ ایسی بیکسی میں بھی جلالت کارفرما ہے

بہت کس بل ابھی ہے ہاتھ میں پر کیا کرے غازی
نمازِ عصر کا وقت آگیا سجدے میں جانا ہے

قیامت ہے تہِ خنجر ہے سر بھی اور سجدہ بھی
دکھا دو سرگزاروں کو یہ سر ہے اور یہ سجدہ ہے

شۂ دیں کا تصرّف ہے یہ نوحہ مرثیہ ورنہ
میں جس عالم میں ہوں اے نجمؔ دنیا کو خبر کیا ہے

نازشِ اسلام

کربلا میں کس کا سر نیزہ پہ اے اسلام تھا
سوکھے ہونٹوں پر رسولؐ اللہ کا پیغام تھا

کس کی خوں گشتہ جبیں سے تھی ضیا پھیلی ہوئی
آسماں کا چاند دھندلا سا چراغِ شام تھا

خون میں تر ہی سہی نیزوں سے ٹکڑے ہی سہی
لشکرِ جانِ پیمبرؐ نازشِ اسلام تھا

پیاری صورت تھی وہی سینے پہ برچھی کھا کے بھی
ان کا حُسن اللہ اکبر جن کا اکبرؑ نام تھا

تیر کھایا چھ مہینے کے علیؑ اصغر نے بھی
کیا رسولؐ اللہ کے بچوں کا قتلِ عام تھا

نیزہ و خنجر سے پیچھے ہٹ نہ سکتے تھے قدم
یہ حسینیؑ عزم تھا یہ ہاشمی اقدام تھا

ان کے سجدے تھے نمازِ صبحِ یثرب کی بہار
جن سروں کے نور سے روشن سوادِ شام تھا

روزِ عاشورِ محرم عصر تک میدان میں
ایک بندہ تھا خدا کا اور خدا کا نام تھا

کربلا کی خاک اور آلِ پیمبرؐ کا لہو
اس زمیں کا ذرّہ ذرّہ کیسا خون آشام تھا

عزّتِ انساں پہ یورش دیکھتے کیونکر حسینؑ
ذبح کر کے بھی عدوئے دین حق ناکام تھا

کامیاب و کامراں تھے ذبح ہو کر بھی حسینؑ
جان دے دینا یہاں انسانیت کا کام تھا

آج اس کا بول بالا مشرق و مغرب میں ہے
کل دیارِ نینوا میں جو تہہِ صمصام تھا

خطبۂ سجادؑ ہو یا ہو رجزِ شبیرؑ کا
ان کا ایک اک حرف شرحِ عزّتِ اسلام تھا

بجھ گیا تھا انجمؔ جب قبرِ پیمبرؐ کا چراغ
کیا یونہی تاروں سے روشن چرخِ نیلی فام تھا

موت کا تعاقب

پُر درد ہے نہایت اسلام کا فسانہ
گھر لُٹ گیا نبیؐ کا دیکھا کیا زمانا

وہ دین کی حمایت دُنیا کی چھاؤنی میں
یثرب کے من چلوں کا تیغوں کے منہ پہ آنا

عزت کی رہ گذر میں وہ موت کا تعاقب
وہ اپنی زندگی کی لذّت کو بھول جانا

وہ لشکرِ ستم پر تحقیر کی نگاہیں
وہ پیاس میں تبسم وہ بجلیاں گرانا

باطل کی تیرگی میں وہ جلوۂ حقیقت
وہ کفر کی فضا میں ایمان کا گھرانا

نصرت کا دینِ حق کی وہ دلگداز منظر
اِک طفل بے زباں کا جھولے سے اٹھ کے آنا

وہ جانستاں نیابت ہر ایک تشنہ لب کی
ننھے سے ایلچی کا سوکھی زباں دکھانا

میداں میں سنسناہٹ اک تیرِ بے خطا کی
فطرت کا آہ کرنا بچے کا مسکرانا

زخمی جبیں کا سجدہ اسلام کی بلندی
شبیرؑ کا خدا کی طاعت میں سر جھکانا

خیمے کے در پہ لرزاں مشتاق دید نظریں
مظلومِ کربلا کا نیزے پہ منہ دکھانا

ڈوبے ہوئے لہو میں اسلام کے خوزادے
شعلوں میں دوجہاں کے مولاؑ کا آستانا

حالت ہی نجمؔ کب تھی نوحہ گری کے قابل
ہم چپ ہی ہو چکے تھے دل نے مگر نہ مانا

پیغامِ کربلا

جہاں نواز جو پیغامِ کربلا نہ رہے
کہاں دلوں میں زبانوں پہ بھی خدا نہ رہے

صراطِ حق نہ رہے مسلکِ وفا نہ رہے
غمِ حسینؑ جو دنیا کا رہنما نہ رہے

جو مصطفیٰؐ کا مدینہ جہاں میں کہلائے
وہاں یہ ظلم کہ فرزندِ مصطفاؐ نہ رہے

یہ کیا غضب ہے صف آرا ہو شام کا لشکر
لبِ فرات پیمبرؐ کا لاڈلا نہ رہے

نبیؐ کی آل ہی کیا اس ستم کے قابل تھی
کہ میہماں کہیں بے آب و بے غذا نہ رہے

کرم کی رسم زمانے سے اٹھ گئی شاید
یہ اہتمام ہے کوئی ستم اٹھا نہ رہے

حرم کی گود کے بچے بھی لے چلی ہے اجل
کہ ان غریبوں کا اتنا بھی آسرا نہ رہے

عدو کو ضد ہے کہ یوں گھر حسینؑ کا اُجڑے
کوئی صغیر بھی جھولے پر جھولتا نہ رہے

فلک کو دیکھ کے اکثر یہ سوچتا ہوں میں
رہے یہ چاند اور اکبرؑ سا مہ لقا نہ رہے

نہ تھے حسینؑ کی جرأت کو دیکھنے والے
کھینچی ہے تیغ جب انصارِ باوفا نہ رہے

دیارِ ہند کے محبوب ہیں حسینؑ اے نجم
محال ہے کہ یہاں غم حسینؑ کا نہ رہے

شہزادۂ انوار

عشرہ کا وہ دن وہ شہِ ابرار کا عالم — وہ مرضیٔ خالق کے خریدار کا عالم
لپٹی ہوئی قدموں سے زمیں کرب و بلا کی — ہر ذرۂ بے حس میں دلِ زار کا عالم
نہوڑائے ہوئے سر شبِ عاشور کی رخصت — وہ غم کی روش درد کی رفتار کا عالم
وہ آخری تسلیم کو جھکتے ہوئے تارے — سجدوں کی فضا صبح کے آثار کا عالم
مشرق کی سپیدی میں جھلکتی ہوئی سرخی — خوں نابۂ دل دیدۂ خونبار کا عالم
کونین کا اُترا ہوا منہ فرطِ الم سے — روکارِ فلک چہرۂ بیمار کا عالم
وہ عالمِ ایثار حسینؑ ابنِ علیؑ کا — گھیرے ہوئے وہ رحمتِ غفار کا عالم
تن میں وہ رسالتؐ کی قبا سر پہ عمامہ — سر تا بقدم احمدِؐ مختار کا عالم
وہ شام کی فوجوں میں پیمبرؐ کا نواسا — ظلمت میں وہ شہزادۂ انوار کا عالم
تکبیر بہ لب احمدِؐ مختار کے تیور — شمشیر بکف حیدرِؑ کرار کا عالم
بیتاب وہ جذبات وہ بے چین ارادے — مرنے کی تمنا میں وہ انصار کا عالم
بے قصد عیاں نصرتِ شبیرؑ کی نازش — معصوم نگاہوں میں وہ پندار کا عالم
سرکردۂ اربابِ مودّت کی نظر میں — ایک ایک محبت کے گرفتار کا عالم
آقا کی حفاظت میں وہ جاگی ہوئی آنکھیں — منظورِ نظر دیدۂ بیدار کا عالم
کاندھے پہ بھری مشک لبِ پاک پہ خشکی — دریا پہ وہ پانی کے طلب گار کا عالم
ملت کے جوانوں کی بڑھاتا ہوا ہمت — نیزوں پہ وہ بانوؑ کے طرحدار کا عالم
ڈوبے ہوئے بھرپور جوانی کے لہو میں — اے صلِ علیٰ گیسوئے خمدار کا عالم
تیغوں کی کشاکش میں اُمنگوں کی فضا میں — وہ سیّدِ مسموم کے دلدار کا عالم
بکھری ہوئی وہ عونؑ و محمدؑ کی نگاہیں — وہ چیں بہ جبیں جعفرِؑ طیار کا عالم

مسلمؑ کے جواں بخت و جواں سال دُلارے
چہروں سے عیاں باپ کے ایثار کا عالم

وہ صبح کو دربارِ گہر بار کی رونق
وہ شام کو لوٹی ہوئی سرکار کا عالم

شبیرؑ کا اصغرؑ کو وہ میدان میں لانا
کرّار کی آغوش میں جرّار کا عالم

واللہ وہ سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تبسم
عالم پہ برستے ہوئے انوار کا عالم

سینے سے لگائے ہوئے ننھا سا وہ ہدیہ
آنکھوں میں محبت کی نظر پیار کا عالم

ہلکی سی وہ جنبش علیؑ اصغر کے لبوں کی
وہ خشک گلے پر لبِ سوفار کا عالم

نیزوں کی مدارات میں شبیرؑ کا سینہ
زخموں کی عنایات سے گلزار کا عالم

الحمد کی تمہید مجاہد کے لبوں پر
تائید میں تلوار کی جھنکار کا عالم

خنجر کے تلے رحمتِ معبود سے باتیں
وہ رمز و کنایات وہ اسرار کا عالم

وہ درد کا منظر جو دو عالم کو ہلا دے
نیزے کی انی گیسوئے خمدار کا عالم

تجمؔ آتے ہیں وہ آہ بہ لب دست بہ سینہ
دیکھے تو کوئی شاعرِ سرکار کا عالم

(98)

پریم کہانی

کربل کا انوکھا جنگل ہے تیروں میں ہوا بل کھاتی ہے
شبیر کا گھائل تن من ہے دھرتی کی دھڑکتی چھاتی ہے

یوں جگ کے بھلے کو مرتے ہیں یوں اپنے لہو میں بھرتے ہیں
یوں دھرم کی سیوا کرتے ہیں یہ من کی لگن کہلاتی ہے

ڈوبی ہے لہو میں ناؤ مگر من سوچ میں ڈانواں ڈول نہیں
سینے پہ ہیں کتنے گھاؤ مگر آنکھوں میں دیا لہراتی ہے

کیا سید ھے سچے ساتھی تھے کیا پریم کہانی چھوڑ گئے
کربل کی زمیں تھرائے چکی ہروے کی زمیں تھراتی ہے

بھوکے بھی لڑے پیاسے بھی لڑے لاکھوں میں بہتر کود پڑے
بلونت سہی ساونت سہی کہنے میں مگر بات آتی ہے

سکھ آج ہے برچھی کھانے میں آنند ہے آپ مرجانے میں
اکبرؑ کا بھی ہے وشواش یہی ماتا بھی یہی سمجھاتی ہے

یہ اجڑ چ بھوی لوٹ چکی بھرپور جوانی پھولوں کی
اب گود میں اپنے مالی کے منہ بند کلی مرجھاتی ہے

یہ تیر گلے پر کھائیں گے سنسار کا جی دہلائیں گے
چھوٹے سے بڑے ہو جائیں گے اصغرؑ کی سواری آتی ہے

دن لڑتے لڑتے بیت گیا سنتوش پریمی جیت گیا
سنتوش کی جے رہ جائے گی بپتا کہیں رہنے پاتی ہے

مایا نے جنھیں ٹھکرایا تھا وہ مایا روپی بندے تھے
یہ ایشر روپی بندے ہیں یاں مایا ٹھوکر کھاتی ہے

نجمی وہ بڑے دل والے تھے دل نام سے دھک دھک کرتے ہیں
یاد ان کی سما کر سینوں میں ماتم کی دھک بن جاتی ہے

(99)

تیرہ سو برس

غمِ شبیرؑ و چشمِ تر کو تیرہ سو برس گزرے
عزائے جانِ پیمبرؐ کو تیرہ سو برس گزرے

ابھی تک خون ہو جاتی ہے مٹی قبرِ سرورؑ کی
سلوکِ گردن و خنجر کو تیرہ سو برس گزرے

ابھی تک سینۂ اسلام کا یہ زخم تازہ ہے
سناں کھائے ہوئے اکبرؑ کو تیرہ سو برس گزرے

ابھی تک ان کا جھولا منتظر ہے ان کے آنے کا
لحد کی گود میں اصغرؑ کو تیرہ سو برس گزرے

ہلا دیتی ہے دل عباسؑ کی شانِ جلال اب بھی
صفیں الٹے ہوئے صفدرؑ کو تیرہ سو برس گزرے

نظر آتے ہیں خوں میں تر بتر مشک و علم ابتک
لہو دیتے ہوئے منظر کو تیرہ سو برس گزرے

ابھی تک صفحۂ تاریخ پر یہ چاند روشن ہے
جمالِ قاسمِ مضطر کو تیرہ سو برس گزرے

جناں میں تشنگانِ کربلا کی تشنہ کامی پر
تڑپتے موجۂ کوثر کو تیرہ سو برس گزرے

حسینؑ ابنِ علیؑ کے در سے پایا درسِ آزادی
دعا دیتے ہوئے اس در کو تیرہ سو برس گزرے

ابھی بڑھتا نہیں دل پائے نافرماں نہیں اٹھتے
نشاں کھینچے ہوئے رہبر کو تیرہ سو برس گزرے

ہماری روح بھی نجمی عزادارِ حسینؑ تھی
کھٹکتے دل میں اس نشتر کو تیرہ سو برس گزرے

صبرِ فاطمیؑ

خدارا سامنے سے ہر غمِ دنیا ہٹا دینا
حسینؑ آتے ہیں اے کاشانۂ دل راستا دینا

یہ حق تیرا ہی تھا یوں سر کٹانا گھر لٹا دینا
مبارک اے مجاہد قوم کی بگڑی بنا دینا

یہ تیرا ہی کلیجہ تھا جہاں پانی نہ ملتا ہو
وہاں اشکوں کے بدلے اپنا خونِ دل بہا دینا

جزاک اللہ تو نے جان دے کر دل ہلا ڈالے
بہت آسان تھا کوفہ کی بنیادیں ہلا دینا

یہ صبرِ فاطمیؑ تھا معجزہ تھا دل کی قوت کا
علی اکبرؑ سے لختِ دل کو مرنے کی رضا دینا

علیؑ اصغر کو بھی ایثار کا احساس تھا ورنہ
یہ کس نے کہہ دیا تھا تیر کھا کر مسکرا دینا

اُتر جانا وہ چہرے قاتلوں کے فتنہ سازوں کے
وہ تیرے سر کا نیزے پر دو عالم جگمگا دینا

یہ مہمانی تھی کیا قبرِ پیمبرؐ کے مجاور کی
مدینہ سے بلانا اور جنگل میں سُلا دینا

یہ ماتم کیا رُکے گا اس کی تنہائی کا ماتم ہے
قیامت خیز تھا وہ استغاثہ کی صدا دینا

اسی کے دل سے پوچھو جس کا آقا ذبح ہو جائے
کہاں ممکن غلاموں سے یہ قربانی بھلا دینا

حسینؑ اے مردِ میداں اپنے ماتم کی کرامت سے
سکونِ بے حسی کو روحِ بے تابی بنا دینا

زیارت کا شرف حاصل ہو جب اے نوحہ خواں تجھ کو
فضائے کربلا میں تجمؔ کا نوحہ سنا دینا

مظلوم کا سہارا

تیر سے بے زباں کو مارا ہے　　خون میں ڈوبا ہُوا ستارا ہے
پارہ پارہ کیا ہے دل جس کا　　یہ پیمبرؐ کا ماہ پارا ہے
ہائے یہ اُس کے گھر کی بربادی　　جس نے اسلام کو سنوارا ہے
مرحبا صبر و ضبطِ شبیری　　ہر طرف دل شکن نظارا ہے
خون میں غرق روئے روشن سے　　شانِ تطہیر آشکارا ہے
جارہا ہے یہ شیر جس رُخ پر　　یہی حق کی رضا کا دھارا ہے
اُس پہ واجب ہے نصرتِ اسلام　　روحِ اسلام نے پکارا ہے
کیا قیامت گزر گئی ہوگی　　اُس نے عشرہ کا دن گزارا ہے
وہ نہ تھا تیغ و تیر کے بس کا　　اُس کو عہدِ وفا نے مارا ہے
اُس مکاں سے بلند ہیں شعلے　　حق نے تارا جہاں اُتارا ہے
تجھ سے مظلوم اے حسینؑ کہاں　　غیر قوموں کو غم گوارا ہے
کربلا کو بنا گیا کعبہ　　کس کو منہ پھیرنے کا یارا ہے
جی رہی ہے جو روحِ آزادی　　اسی مظلوم کا سہارا ہے

اب غلاموں میں وہ گنے نہ گنے
مجرم آتا یہی ہمارا ہے

غم کی خلش

جان ڈالی پیکرِ اسلام میں شبیرؑ نے　　دردِ دل کی روح بھر دی کشتۂ شمشیر نے
آیۂ اجرِ رسالتؐ کو نمایاں کردیا　　صفحۂ گیتی پہ اُس کے خون کی تحریر نے
سر بکف انصار کا شوقِ شہادت دیکھنا　　زندگی دشوار کردی موت کی تاخیر نے
صبحِ عاشورہ نہ جانے کتنے دل تڑپا دیے　　لحنِ اکبرؑ نے فضا نے وقت نے تکبیر نے
کربلا میں ثانیٔ کرّار کے شانے کٹے　　برچھیاں کھائیں رسولؐ اللہ کی تصویر نے
اس بھرے دریا کا اک چلّو نہ ہونٹوں تک گیا　　علقمہ سے مشک بھرلی بازوئے شبیرؑ نے
ساری دنیا کی نگاہیں اپنی جانب پھیرلیں　　جنگ کے میداں میں آکر اصغرِؑ بے شیر نے
آج تک غم کی خلش ہے سینۂ اسلام میں　　کتنے دل زخمی کیے ہیں حرملہ کے تیر نے
ہوگئی تکبیر بسمل پہ جسارت دیکھ کر　　جب کہا اللہ اکبر قاتلِ شبیرؑ نے
وارئے قسمت اپنے دو بیٹے تصدق کر کے بھی　　زیرِ خنجر شہؑ کو دیکھا خواہرِ شبیرؑ نے
پاؤں عابدؑ کے کہاں زنجیر کی ایذا کہاں　　کربلائے شام تک نالے کیے زنجیر نے
لہر دوڑا دی جہاں میں انقلابِ عام کی　　شام کے دربار سے بیمار کی تقریر نے

تجمّل نوحوں کو صداقت کا مرقع کردیا
کربلا کے غم نے غم کی دائمی تصویر نے

راہِ کربلا

پڑا جو وقت تو اسلام کو بچا نہ گیا
بجز حسینؑ کوئی زیرِ تیغ آ نہ گیا

خدا پرست تھا مقتل کی راہ لی اُس نے
درِ یزید پہ وہ بندۂ خدا نہ گیا

بہت سی منزلیں تھیں راہِ کربلا میں مگر
حسینؑ اپنے مددگار ڈھونڈتا نہ گیا

کنارِ نہر گیا لاشۂ برادر پر
تلاشِ آب میں زہراؑ کا لاڈلا نہ گیا

ہزار ضعف سہی ورثہ دارِ حیدرؑ تھا
علیؑ کے لعل کا اندازِ لافتا نہ گیا

نبیؐ کے عہد میں کوئی نہ تھا شبیہہ نبیؐ
کسی جہاد میں اکبرؑ سا مہ لقا نہ گیا

حسینیوں کے تھے سینے وفا کے گنجینے
وہ کون تھا جو سنانوں میں جھومتا نہ گیا

لبِ فرات پہ عباسؑ کی وفا دیکھو
کہ تشنگی بھی تھی پانی بھی تھا پیا نہ گیا

حسینؑ جس کے ہوں پروانے اُس کو ڈر کیا ہے
چراغ دینِ محمدؐ کوئی بجھا نہ گیا

سنا ہے شام کے لشکر میں سب مسلماں تھے
نبیؐ کی آل کو پانی کوئی پلا نہ گیا

کچھ ایسے وقت میں زنجیر پہنی عابدؑ نے
کہ اس گھرانے سے صدیوں یہ سلسلہ نہ گیا

ہمیں دیارِ مدینہ سے یہ شکایت ہے
کہ یہ حسینؑ کے ہمراہ کربلا نہ گیا

جہاں میں تجمؔ یہ کرب و بلا کا افسانہ
کہا گیا مگر اِس شان سے کہا نہ گیا

شانِ وفا

خدا کی راہ میں گردن کٹائی جاتی ہے　　غریب قوم کی بگڑی بنائی جاتی ہے
تمام حشر کے آثار چونک اٹھے ہیں　　یہ زیرِ تیغ کسے نیند آئی جاتی ہے
تمام گود کے پالوں کی دے کے قربانی　　خدا کے دین کی دولت بچائی جاتی ہے
نبیؐ کی آل بھی مشکلؑ کشا کے لال بھی ہیں　　کہیں یہ فطرتِ مشکل کشائی جاتی ہے
شبابِ اکبرؑ مہ رو کہاں کہاں برچھی　　یہ چوٹ کس کے کلیجے پہ کھائی جاتی ہے
حسینؑ ہنسلیوں والے کو لے کے آئے ہیں　　یہ قتل گاہ میں منت بڑھائی جاتی ہے
یہ کیا غضب ہے کہ سر رکھ دیا تہِ خنجر　　اٹھو حسینؑ زمیں تھر تھرائی جاتی ہے
لہو بھرے ہوئے چہرے کا نور کیا کہنا　　فضائے کرب و بلا جگمگائی جاتی ہے
یہ معرکہ نہ ہوا آج تک نہ پھر ہوگا　　وفا بہ شانِ وفا آزمائی جاتی ہے
یہ داستانِ ہدایت کی روشنی بن کر　　تمام منظرِ عالم پہ چھائی جاتی ہے
ضرور درد سے آنکھوں میں آئیں گے آنسو　　دلوں میں اس کی محبت سمائی جاتی ہے

حضور تجمؔ کو اب کربلا میں بلوالیں
اجل غریب کی نزدیک آئی جاتی ہے

شانِ شہادت

سوئے جنت سدھارے جانِ زہراؑ کربلا ہوکر
بہت کم دن جئے نانا کی تربت سے جدا ہوکر

جوانا مرگ تھے عباسؑ بھی اکبرؑ بھی قاسمؑ بھی
وفاداروں میں آئی تھی جوانی بے وفا ہوکر

کسے معلوم تھا تشنہ لبی ہے ان کے حصے میں
یہ پیاسے بھی رہیں گے وارثِ دارِ ہلِ اتا ہوکر

گلے کٹوائے ہیں اسلام پر ان دردمندوں نے
یہ آڑے گر نہ آجاتے تو رہ جاتا فنا ہوکر

شہیدِ تشنہ لب عباسؑ کی شانِ شہادت پر
زباں سے آہ نکلی نعرۂ صلِ علیٰ ہوکر

علی اصغرؑ کو ہاتھوں پر پدر کے تیر کھانا تھا
یہ اپنی جان دیں گے عرش پر جلوہ نما ہوکر

قضائے شکرِ حق میں کون اتنا کہنے والا تھا
کہاں جاتے ہو ماں کی گود سے اصغرؑ جدا ہوکر

یہ کیسا شکر کا کلمہ تھا مولاؑ قتلِ اصغرؑ پر
رہے گا حشر تک ہر لفظ جس کا مرثیا ہوکر

زمینِ کربلا تھی تنگ جس بیکس مسافر پر
دو عالم لے لیے اُس نے شہیدِ کربلا ہوکر

تصدق دونوں عالم کی عبادت اس کے سجدہ پر
سرِ پُرنور سجدہ سے اٹھا تن سے جدا ہوکر

کوئی اے نجمؔ کہہ دیتا یہ ملّت کے خداؤں سے
بچا لیتے ہیں یوں کشتیِ ملّت ناخدا ہوکر

جانوں کی قیمت

وہ ڈوبے ہوئے خوں میں دریا کنارے　　سپہرِ وفا کے درخشاں ستارے
وہ سینوں پہ نیزے وہ نیزوں پہ سینے　　وہ زخموں کی رنگیں قبائیں سنوارے
امامِ زمانہ کے ساتھی مسافر　　رفاقت کی منزل میں ہمت نہ ہارے
وہ شبیرؑ کی بیکسی کا تخیل　　کہ تنہا نہ رہ جائیں آقا ہمارے
وہ بچوں کی تشنہ لبی کا تصور　　نگاہوں میں معصومیت کے اشارے
وہ خدمت کا احساس جانوں کی قیمت　　وہ جانوں کو آقا کے قدموں پہ وارے
اندھیرے میں باطل کے حق کی تجلی　　خدائی میں دینِ خدا کے سہارے
حسینؑ اور بچوں کی لاشوں کا منظر　　کرم کی نگاہیں ستم کے نظارے
وہ فرزندِ مسلم وہ دل بندِ زینبؑ　　یہ چھوٹے بڑوں سے بھی پہلے سدھارے
یہ ملّت پہ صدقے اُتارے گئے ہیں　　نبیؐ کے چہیتے علیؑ کے دُلارے

زمینِ سخن آسماں بن گئی ہے
وہ گردوں سے اے انجم تارے اُتارے

مَن چلے

خون کی ندیوں سے بھی اہلِ وفا گزر گئے — راہِ خدا کے من چلے ڈوب کے پار اُتر گئے
جن میں ہوں سب حق آشنا سن کا وہاں لحاظ کیا — کتنے صغیر چل بسے کتنے جوان مر گئے
جنگ کی پائی تھی رضا اکبرؑ خوش کلام نے — اصغرؑ ابھی تھے بے زباں جھولے سے یہ کدھر گئے
ان کو لحد کی گود میں نیند تو آ گئی مگر — مادرِ غم نصیب کی نیند حرام کر گئے
سبطِ نبیؐ کے جان و دل اور زمینِ کربلا — اُس گُلِ تر سے پوچھیے جس کے ورق بکھر گئے
شیرِؑ خدا کے لعل کو عیشِ رضائے حق ملا — اہلِ ستم کو کیا ملا ہاتھ لہو میں بھر گئے
گھر میں خدا کا نام ہے سر ہیں دیارِ شام میں — راہِ خدا میں گھر لٹا رہِ خدا میں سر گئے
بچے ہیں انتظار میں کوئی انھیں بتائے کیا — مشک جو لے گئے تھے وہ نہر پہ کیوں ٹھہر گئے
اہلِ حرم کے دل سے یہ داغ کبھی نہ مٹ سکا — رہ گیا غم حسینؑ کا قید کے دن گزر گئے
آلِ رسولؐ مرحبا قید ہو قتل گاہ ہو — اپنے اصول پر رہے اپنے اُصول پر گئے

پیکرِ شاعری میں مجسم نورِ حیات آ گیا
راحتِ اہلِ بیتؑ سے جذبۂ دل سنور گئے

نقشِ وفا

خلق میں افسانۂ کرب و بلا رہ گیا　　بچ گئی انسانیت دینِ خدا رہ گیا

شام ابھی دور ہے اہلِ حرم لٹ چکے　　ہوگئے رخصت حسینؑ خیمہ میں کیا رہ گیا

سجدہ میں سر کاٹ کر اہلِ ستم لے گئے　　ایک تنِ بے کفن رو بہ رضا رہ گیا

فرشِ زمیں کی خبر عرشِ بریں تک گئی　　خاک پہ زہراؑ کا لال رن میں پڑا رہ گیا

نعشِ علم دار اٹھی دامنِ ساحل سے جب　　خون سے لکھا ہوا نقشِ وفا رہ گیا

یاد ہے بے شیر کی تشنہ لبی اے فرات　　ننھے مسافر کو بھی تجھ سے گلہ رہ گیا

بالی سکینۂ غریب ماں سے نہ پوچھ لے کہیں　　راہ میں اصغرؑ کہاں سوتا ہوا رہ گیا

حال پہ مظلوم کے لاکھ بہے اشکِ غم　　سینۂ کونین میں درد بھرا رہ گیا

ضبطِ فغاں کر گئے دیکھنے والے مگر　　ماتمِ شبیر کا دل میں مزا رہ گیا

منزلِ شبیر تک نجم نہ پہنچیں گے ہم
آہ و بکا تک اگر جوشِ ولا رہ گیا

راہِ عمل

کانپیں گے دل حسینؑ کا ایثار دیکھ کر	سجدہ میں زیرِ خنجرِ خونخوار دیکھ کر
حیراں ہے ارضِ بابل و میدانِ نینوا	سلطانِ بے دیار کا دربار دیکھ کر
رایت کے ساتھ کون و مکاں جھومنے لگے	حائل ہیں شانِ حیدرؑ کرّار دیکھ کر
تو شوق پائے بوس میں اے نہرِ علقمہ	بڑھنا ذرا نگاہِ علَم دار دیکھ کر
کیا وقتِ فخر ہوگا حسینِؑ غریب کا	اہلِ وفا کو مرنے پہ تیار دیکھ کر
آنسو بھی آئے آنکھوں میں یا شکر ہی کیا	سینہ پسر کا نیزہ پہ گلنار دیکھ کر
تھرّا گئی ہو روحِ شہادت عجب نہیں	جانِ حسنؑ کا پیکرِ خونبار دیکھ کر
بنتِ علیؑ کا صبر قیامت کا صبر تھا	بچوں کو خاک و خوں سے گرانبار دیکھ کر
شبیرؑ بہرِ نذر اب اصغرؑ کو لائے ہیں	جانیں لٹا رہے ہیں خریدار دیکھ کر
پیاسے نے تیغ کھینچی ہے دنیا اُلٹ نہ جائے	ظالم بڑھے ہیں بے کس و بے یار دیکھ کر
ابر و ہوا و ارض و سماوات دشت و در	ساکت ہیں مرضیِ شہِؑ ابرار دیکھ کر
نیزہ پہ سر ہے سبطِؑ رسالت پناہ کا	حیراں ہے چشمِ کافر و دیندار دیکھ کر
زنداں میں صبرِ عابدؑ بیمار دیکھنا	شکر خدا کیا در و دیوار دیکھ کر
زنداں میں ماں کو اکبرؑ جرار کی اذاں	یاد آ نہ جائے صبح کے آثار دیکھ کر

کیا کہتے ہوں گے انجم شہیدانِ کربلا
راہِ عمل میں قوم کی رفتار دیکھ کر

اجرِ رسالت

کیا مستقل حسینؑ کی بیگانگی رہی
قدموں میں ہاتھ باندھ کے دنیا کھڑی رہی

جس روز سے حسینؑ کو رہنے نہیں دیا
اُس روز سے مدینہ میں افسردگی رہی

تعمیل حکم اجرِ رسالت نہ پوچھیے
آل رسولِ پاک پہ بیداد ہی رہی

مہماں کو مرتے وقت بھی پانی نہیں ملا
دنیا میں یادگار یہ تشنہ لبی رہی

کیا سخت مرحلہ ہے سکینہؑ کی پیاس کا
بچّی کے اضطراب کو ماں دیکھتی رہی

اصغرؑ زمینِ گرم پہ جنگل میں سوگئے
ڈیوڑھی پہ انتظار میں مادر کھڑی رہی

سینچا جو اپنے خون سے آل رسولؐ نے
اسلام کے اصول کی کھیتی ہری رہی

عباسؑ کی بلند نگاہی پہ دل نثار
بعدِ فنا بھی روح کی بالیدگی رہی

یہ موت یہ حیات ہے کس کے نصیب میں
آنے کو آئی موت مگر زندگی رہی

یوں ہوگئی شہیدوں کی لاشوں پہ روشنی
تاروں کے کچھ چراغ جلے چاندنی رہی

تنہا تھی اس کی لاش یہ مقتل سے پوچھیے
ماتم رہا حسینؑ کا یا خامشی رہی

دنیا میں وقت تجمّم کا اچھا گزر گیا
مولاؑ کے غم میں غم تو خوشی میں خوشی رہی

صراطِ شہادت

ملّت پہ اے حسینؑ ہیں احسان آپ کے
اسلام آپ کا ہے مسلمان آپ کے

قربانیوں سے قوم کو اپنا بنالیا
سب گھر نثار کردیا قربان آپ کے

سب کربلا کے دشت میں تکمیل پاگئے
نانا سے تھے جو عہد جو پیمان آپ کے

کیسا عدو کی فوج کو سیراب کردیا
جیسے یہ خوں کے پیاسے تھے مہمان آپ کے

اصغرؑ کو بھی صراطِ شہادت پہ لے گئے
کیا کیا تھے حق کی راہ میں ارمان آپ کے

کچھ ایک دو نہیں ہیں بہتّر شہید ہیں
دل سے گنے نہ جائیں گے احسان آپ کے

بچوں نے بھی لٹائی ہیں جانیں خوشی خوشی
فرمانِ کردگار تھے فرمان آپ کے

خیمے جلا دیے جو لعینوں نے کیا ہُوا
خیمے جہاں تھے بن گئے ایوان آپ کے

ملتی نہیں مثال کوئی کائنات میں
کیا کام کرگئے ہیں میں قربان آپ کے

اصحاب سوگوار عزا دار انبیاءؑ
سلمان آپ کے ہیں سلیمانؑ آپ کے

انسانیت کی جان ہے ایثار آپ کا
ممنونِ زندگی ہیں سب انسان آپ کے

مرجائے تجمّ مدح سرائی میں آپ کی
حسرت ہے کام آئے مری جان آپ کے

اشکوں کی جزا

جس کو غمِ شبیرؑ کی توفیق خدا دے — وہ غم ہے جو انسان کو انسان بنادے
شبیرؑ نے کی دین کی تاریخ مکمل — کچھ دفترِ ایثار کے اوراق تھے سادے
مارے گئے توحید کے اعلان کی خاطر — اسلام کے فرزند دو عالم کے خو زادے
سر نیزوں پہ آتے ہی ہَوا ظلم کی بگڑی — پورے ہوئے کس شان سے شیروں کے ارادے
ایسا تو ہو مظلوم کوئی جس کا فسانہ — انسان کا سویا ہوا احساس جگا دے
اکبرؑ سا پسر ہو تو کلیجے میں چھپالیں — کس کا یہ کلیجہ ہے کہ مرنے کی رضا دے
دیکھیں تو رہِ حق میں کوئی چاند کا ٹکڑا — جھولے سے اٹھا لائے تہِ خاک سُلا دے
وہ صبر کا رستہ ہو کہ تلوار کی منزل — سب ہیں مرے مولاؑ کے بتائے ہوئے جادے
مظلوم کے ایثار کی قوت کو نہ پوچھو — ماتم میں یہ قوّت ہے کہ دنیا کو ہلا دے
انصارِ حسینیؑ کی تاسّی ہو میسر — اللہ عزا دار کو اشکوں کی جزا دے

قدرت ہے اگر نجمؔ تو نوحہ کی زباں میں
ہر قوم کو شبیرؑ کا پیغام سنا دے

تکبیر والے

مدینہ کی بستی سے آئے ہوئے ہیں رسالت کا پیغام لائے ہوئے ہیں
فلک بن گئی ہے زمیں کربلا کی مسافر لہو میں نہائے ہوئے ہیں
یہ ایمانِ مطلق یہ انسانِ کامل یہ تیروں کی زد پر جو آئے ہوئے ہیں
یہی ہے اصولِ حیاتِ مسلماں اجل سے نگاہیں لڑائے ہوئے ہیں
ملا ہے جو سرکردۂ انبیاءؑ سے وہ بارِ امامت اٹھائے ہوئے ہیں
وہ تکبیر والے ہیں تہلیل والے جو تشنہ لبی کے ستائے ہوئے ہیں
حیات ان کے نقشِ قدم چومتی ہے کہ یہ موت سے دل لگائے ہوئے ہیں
جو سینوں سے منہ پھیر دیں برچھیوں کے وہ جذبے دلوں میں سمائے ہوئے ہیں
محبت ہے آغاز و انجام ان کا محبت پہ ایمان لائے ہوئے ہیں
یہ جرار پیاسی سکینہؑ کی خاطر لہو تا بہ دریا بہائے ہوئے ہیں
یہی نوجواں ہیں شبیہِ پیمبرؐ جو برچھی کلیجے پہ کھائے ہوئے ہیں
یہ چاہیں تو بارِ دوعالم اٹھالیں جو مشکِ سکینہؑ اٹھائے ہوئے ہیں
سنانوں کے آگے یہ کیا سر جھکاتے جو سجدے میں گردن جھکائے ہوئے ہیں

کہاں اشکِ غم اور کہاں قصرِ جنت
ہمیں تجمؔ قیمت گھٹائے ہوئے ہیں

زندہ کارنامے

بَلا اسلام پر آتے ہی سوئے نینوا آئے　　پیمبرؐ کی نیابت میں شہیدِ کربلا آئے
جزاک اللہ یہ حسرت تھی انصارِ حسینؑ کو　　ہماری خاکِ خوں آلود سے بوئے وفا آئے
ابھی بچے ہی تھے پر جان دینے کس متانت سے　　پسر مسلم کے آئے جعفری تیغ آزما آئے
تلاطم ہو نہ کیوں کر بانیِ اسلام کے گھر میں　　علم اسلام کا جب خون میں ڈوبا ہوا آئے
قیامت ہے کہ لب تشنہ تلاشِ آب کے بدلے　　برادر نہر پر نعشِ برادر ڈھونڈتا آئے
حسینؑ صبر کی معراج دیکھیں دیکھنے والے　　اجازت جنگ کی لینے شبیہِ مصطفاؐ آئے
یہ زندہ کارنامے دیدنی ہیں مرنے والوں کے　　نوشتہ باپ کا لے کر حسنؑ کا لاڈلا آئے
سنا ہے ثانیِ زہراؑ کے خیمہ سے سلام آیا　　پےِ نصرت جو کوفہ سے حبیب باوفا آئے
بچائیں کس طرح شبیرؑ گردن تیغِ قاتل سے　　خدا کی یاد میں کیونکر خیالِ ماسوا آئے
نہیں ہے رونے والا بھی کوئی بیکس کے لاشہ پر　　مدینہ سے عجب کیا واحسینا کی صدا آئے

ہوئے کامل سخنور مدحتِ آلِ پیمبرؐ سے
ہمیں اے نجمؔ سب کچھ آگیا اب اور کیا آئے

نفسِ مطمئن

سر دیدیے کربلا میں جو اسلام آگیا ‏ ‏ ‏ ‏ کنبہ رسولؐ پاک کا سب کام آگیا
اپنا لہو بہانے کو اسلام کے لیے ‏ ‏ ‏ ‏ خود گل عذارِ بانیِ اسلام آگیا
اصغرؑ کو اور قوم کی خدمت کو دیکھیے ‏ ‏ ‏ ‏ بچہ یہ چھ مہینے کا بھی کام آگیا
گودوں میں بیقرار تھا جھولے میں مضطرب ‏ ‏ ‏ ‏ جلتی ہوئی زمین پہ آرام آگیا
پورے جوان بھی علیؑ اکبر ہوئے نہ تھے ‏ ‏ ‏ ‏ کیا جلد ان کو موت کا پیغام آگیا
دل میں متاعِ فخر بڑھا دردِ دل کے ساتھ ‏ ‏ ‏ ‏ عباسؑ کا زبان پہ جب نام آگیا
ہے ہے امامِ عصرؑ نے تنہا پڑھی نماز ‏ ‏ ‏ ‏ عاشور کو جو عصر کا ہنگام آگیا
پیاسے حسینؑ ذبح ہوئے تیرے سامنے ‏ ‏ ‏ ‏ تجھ پر بھی اے فرات یہ الزام آگیا
قرآن میں خدا نے کہا نفسِ مطمئن ‏ ‏ ‏ ‏ قربانیوں سے پہلے ہی انعام آگیا
وابستگی دلوں کی مبارک ہو اے حسینؑ ‏ ‏ ‏ ‏ دل ہل گئے جو لب پہ تیرا نام آگیا

نجمی کوئی سبق نہ لیا کربلا سے کیا
کیوں بے حسی کا قوم پہ الزام آگیا

(116)

تنہا

میداں میں شبیرؑ جو تنہا نظر آئے　　گو آنے کے قابل نہ تھے اصغرؑ مگر آئے
رخصت ہوئے بابا سے یہ اک تیر جو کھا کر　　تلواریں سنبھالے ہوئے بیداد گر آئے
اب سر کے سوا کوئی نہ ہدیہ ہے نہ تحفہ　　آغوش میں اصغرؑ تھے انھیں دفن کر آئے
کونین ان آنکھوں کے تحمّل پہ تصدق　　چاروں طرف انصار کے لاشے نظر آئے
جلتی ہوئی ریتی پہ جو سر سجدہ میں رکھا　　نزدیک تھا خود عرش زمیں پر اتر آئے
اللہ یہ اس شوق سے آئے تہِ خنجر　　اک عمر کی جیسے کوئی امید بر آئے
آنکھوں میں نہ اشک آئے نہ تیور پہ بل آیا　　کیا شکر یہ اب صبر کی حد سے گزر آئے
بندے یہ خدا کے ہیں یہ طاعت ہے خدا کی　　جنبش نہ ہو ابرو کو قیامت اگر آئے
شبیرؑ سا مظلوم زمانے میں نہ ہوگا　　صدیوں سے جسے روتے ہیں سب اپنے پرائے
نام آتے ہی بیکس کا نکل آتے ہیں آنسو　　کیا کیجئے برچھی سی جو سینے میں در آئے

ہمراہ ہوں اے نجم یہ نوحے یہ قصیدے
جب ملکِ عدم کے لیے حکمِ سفر آئے

(117)

پیمبری

قسمتِ ذوالفقار میں یہ بھی تھا کارِ آخری　　ہائے وہ قہرِ بے زباں ہائے وہ تیغِ حیدری
یہ بھی کسے امید ہے صبرِ حسینؑ دیکھ کر　　خاکِ لحد پہ ہو نہ ہو اشکِ حسینؑ کی تری
ساقیِ روزِ حشر کی آل عطش سے جاں بہ لب　　یہ بھی ستم عجیب ہے تشنہ لبی و کوثری
بھول گئے وہ بے رخی ہائے حسینؑ کا کرم　　حُر کو جناں میں لے گئی ایک نگاہِ دلبری

خلق کو زیرِ تیغ بھی اُس نے پیامِ حق دیا صلِ علیٰ حسینؑ کا حوصلۂ پیمبریؐ

خاکِ زمینِ کربلا آج بھی دیتی ہے لہو آج بھی ہے زمین میں خونِ حسینؑ کی تری

کون کہے گا یہ بھلا جنگ تھا اُس کا مدعا اصغرؑ شیر خوار بھی جس کا ہو ایک لشکری

اُٹھ نہ سکا زمین سے لاشۂ قاسمِؑ حسنؑ ہائے وہ جسمِ خونچکاں ہائے وہ روحِ دلبری

فوجِ عدو میں لے گیا شکلِ و شبابِ مصطفےٰؐ ہائے وہ اکبرؑ جواں ہائے جواں پیمبری

ہاتھ کٹا دیے مگر نہرِ فرات چھین لی ہائے علیؑ کے لال کا ولولۂ غضنفری

جون کی لاش پر گیا جانِ حبیبِ کبریا نازشِ ہر غلام ہے اس کی یہ بندہ پروری

ہائے وہ خاکِ نینوا ہائے وہ سبطِ مصطفےٰؐ فرش پہ عرش کی طرح اس کی وہ جلوہ گستری

تیغ بکف تھا جب حسینؑ پاس کوئی نہ آسکا ذبح ہوا نماز میں وارثِ شانِ حیدری

نجمؔ اسی کے فیض سے شاعرِ اہل بیت ہوں
دین کے آفتاب کی یہ بھی ہے ذرہ پروری

(118)

سجادۂ طاعت

اب عصر کا ہنگام ہے اور یادِ خدا ہے مولاؐ مرے خاموش ہیں رن بول رہا ہے

اکبرؑ کی اذاں اور یہ آوازِ اقامت پہلو میں فقط دل کے دھڑکنے کی صدا ہے

وہ عالمِ تنہائی وہ انصار کے لاشے پوچھے کوئی ایوبؑ سے یہ صبر کی جا ہے

ہر درد کو بھولے ہوئے ہیں ذکرِ خدا میں لاشہ علیؑ اصغر کا ابھی دفن کیا ہے

اللہ یہ مقتل ہے کہ سجادۂ طاعت کس شان سے فرزندِ نبیؐ جلوہ نما ہے

یہ قتل کا ساماں کہاں اُس کی نظر میں کہہ دے کوئی نیزوں سے کہ وہ رو بہ رضا ہے

کیا فرش سے تا عرش ہے اک نور کا پیغام واللہ یہ سجدہ شرفِ ارض و سما ہے

ڈوبا ہوا ہے خون میں ہر زار نمازی	تاثیر میں ڈوبی ہوئی میداں کی فضا ہے
تھرّاتے ہیں انسان لرزتے ہیں فرشتے	یہ عالمِ ایثار دوعالم سے جدا ہے
کیا قہر ہے رنگیں ہو نواسے کے لہو سے	سنتے ہیں تنِ پاک میں نانا کی عبا ہے
ہنگامہ ہے اب قتل کا اے نجم دل افگار	مولاؑ مرے خاموش ہیں رَن بول رہا ہے

(119)

اعلانِ حق

زندہ ہے کربلا میں گردن کٹانے والا	ایمان کی تجلّی اسلام کا اُجالا
جس نے حیات پائی آغوشِ مرتضیٰؑ میں	اپنی زباں چُسا کر جس کو نبیؐ نے پالا
مظلومیت میں ایسی دیکھی نہیں شجاعت	تاریخ کی نظر نے دنیا کو دیکھ ڈالا
اس تشنہ لب نے جب سے اعلانِ حق کیا ہے	اسلام کا ہے اب تک دنیا میں بول بالا
صدیوں سے رو رہا ہے اب تک جسے زمانہ	پھر زندگی نے ایسا دیکھا نہ مرنے والا
شل ہوگئے وہ بازو مرجھا گئے وہ تیور	سینہ پہ کھاکے نیزے دشمن کا بل نکالا
اکبرؑ کی لاش اُس پر یہ صبر کا قرینہ	مادر نے اشک رو کے بابا نے دل سنبھالا
قاسمؑ کو موت رن میں دولھا بنا کے لائی	اس ہاشمی جواں کا انداز تھا نرالا
پوچھو نہ اے جوانو عباسؑ کی جوانی	کیسا جواں سپاہی کیسا بلند و بالا
پیاسا گیا جہاں سے پر چھین لی ترائی	اس شان سے جری نے دریا پہ ہاتھ ڈالا
صدقے ہماری جانیں چوتھے امامؑ تجھ پر	زنجیر بھی سنبھالی جس دن سے گھر سنبھالا

اے نجم کچھ نہ پوچھو اُس وقت کی جلالت
تنہا تھے دشمنوں میں جس وقت شاہِؑ والا

جوہرِ صبر

کس طرح خزاں ہوا دینِ خدا سنوار کے　　قبر پہ کس غریب کے پھول کھلے بہار کے
جس کی نظر کے روبرو سارے عزیز کٹ گئے　　ذبح ہوا جو سامنے خواہرِ دلفگار کے
کتنی اٹھائیں ذلتیں طفل و جوان و پیر کی　　ہائے وہ سخت مرحلے عصر تک انتظار کے
ہائے لہو میں تر بتر آلِ رسولؐ پاک کی　　ہائے ورق وہ خاک پر مصحفِ کردگار کے
اصغرِ بے زباں کا بھی داغ اٹھا کے اُف نہ کی　　جوہرِ صبر دیکھنا وارثِ ذوالفقار کے
راہِ رضا پہ لے گیا گود میں شیر خوار کو　　اور قریب ہوگیا مرضیٔ کردگار کے
صبر میں دیدنی ہے یہ اس کے پسر کا حوصلہ　　جس نے کہ رُخ بدل دیے عرصۂ کارزار کے
لاش اٹھاتے ہی حسینؑ خود بھی شہید ہوگئے　　سوگ میں کے گھڑی رہے اکبرؑ گلعذار کے
خون میں ڈوب ڈوب کے رونقِ کربلا ہوئے　　پھول جو منتخب تھے سب گلشنِ روزگار کے
اُس نے قبول کر ہی لی تشنہ لبی و بیکسی　　جبر یہ اپنے پہ تھے صاحبِ اختیار کے
اُس کے اصول زیست میں فرق کوئی نہ آسکا　　سجدۂ شکرِ حق کیا اُس نے یہ دل گزار کے
اُس کی محبت اُس کا غم آج ہے ہر دیار میں　　سارے دیار ہوگئے سیّدِ بے دیار کے

سوئے دیارِ کربلا جب کوئی قافلہ گیا
نجمؔ وہ بدنصیب ہیں رہ گئے دل کو مار کے

ورثہ داری

اے وہ لہو ہے جس کی خاکِ لحد سے جاری — صدقے تیرے قدم پر شاہی و شہر یاری
زنغہ وہ دشمنوں کا وہ تیری شب گزاری — دل پھول سے بھی ہلکا عشرہ کی رات بھاری
اے نفسِ مطمئنہ تیرا ہی حوصلہ تھا — یہ موت بے کسی کی اور زیست اختیاری
نانا کی پیروی میں ہر دکھ پہ صبر کرنا — سجدہ میں زخم کھانا بابا کی ورثہ داری
آرام کلفتوں میں راحت جراحتوں میں — نیزوں میں کامیابی تیغوں میں کامگاری
شایاں نہ تھے وہ تیور ادنیٰ مصیبتوں کے — خود داریوں پہ صدقے ہر زخمِ دل تھا کاری
اکبرؑ ہوں یا ہوں قاسمؑ دونوں کا سن ہی کیا تھا — کس نے سکھا دیے تھے اندازِ جاں نثاری
نوری سہی وہ پیکر تھا دل بشر کا آخر — بچوں کی تشنگی پر شاید ہو بے قراری
اللہ آنکھ اٹھا کر دیکھا نہ علقمہ کو — لہریں نہ لینے پایا نظروں میں آب جاری
مدفن کی جستجو تھی مقتل کی تھی ضرورت — تو نے زمیں خریدی اللہ رے وضعداری
دوشِ نبیؐ کے راکب نیزہ پہ آج سر ہے — عالم فدائے راہی اے جان شہسواری
دشوار راہ اپنی ملت کو سہل کردی — ممکن ہے سینہ کوبی آساں ہے اشکباری

رختِ عزا پہن کر اے نجم گھر سے نکلو
ہندوستان میں آئی سرکار کی سواری

قافلہ سالار

کیوں باز رہے دیدۂ خونبار ہمارا　　مقتول ہو جب سیّد و سردار ہمارا
بے دینوں نے تصویرِ پیمبرؐ بھی مٹادی　　بے جان ہُوا آئینۂ رخسار ہمارا
کیا ظلم تھا پیاسوں کے لیے مشک جو بھر لی　　مارا گیا دریا پہ عَلَم دار ہمارا
بے شیر پہ جو پیاس میں گزری ہے وہ سُن لو　　کہہ دے گا فسانہ لبِ سوفار ہمارا
کونین لرزتے تھے شجاعت بھی تھی ایسی　　مظلوم بھی تھا قافلۂ سالار ہمارا
رُکتا رہِ خالق میں وہ کیا فوجِ ستم سے　　کرّار کا فرزند ہے جرّار ہمارا
جب تا بہ گلو آیا ہے آبِ دمِ خنجر　　سجدہ میں تھا جب سیّدِ ابرار ہمارا
زنداں میں گیا ظلم کی بنیاد ہلاکر　　زنجیر میں جکڑا ہوا بیمار ہمارا
جس نور سے تاریخ کے صفحات ہیں روشن　　وہ ذکر ہمارا ہے وہ ایثار ہمارا
اس شان سے تلوار کے جادہ پہ گئے ہیں　　دنیا کو ہے اندازۂ رفتار ہمارا
پیشانیِ حق پر وہ مسرت کی تجلی　　باطل کی اطاعت سے وہ انکار ہمارا
آفاق پہ چھا جائیں گے کرتے ہوئے ماتم　　عباسؑ ہمارا ہے عَلَم دار ہمارا

شاید یہی دربار میں مقبول ہو تجمی
نوحہ تو نہیں قابلِ سرکار ہمارا

اکبرؑ کا تصوّر

سحر آئی شبِ غم کی ستارے جھلملاتے ہیں　　　اذاں کا وقت ہے مادر کو اکبرؑ یاد آتے ہیں
شجاعت کا تقاضا ہے یہی آگے خدا جانے　　　تصور میں بھی ایسے مرنے والے مسکراتے ہیں
عجب کیا چاہنے والوں کو گر ایسے خیال آئیں　　　چھپے ہیں اس لیے شاید محبت آزماتے ہیں
ہر آہٹ پر نظر اٹھ اٹھ کے دروازہ پہ جاتی ہے　　　یہی احساس ہوتا ہے اب آتے ہیں اب آتے ہیں
کبھی پیشِ نظر ہو جاتی ہیں گلیاں مدینہ کی　　　یہ کون آتا ہے شیدائے نبیؐ آنکھیں بچھاتے ہیں
کبھی ہیں طالبِ رخصت پھوپھی سے باپ سے ماں سے　　　کبھی ہتھیار اپنے جسمِ نازک پر سجاتے ہیں
کبھی اک خون کی چادر چھپا لیتی ہے شکل ان کی　　　ستارے کی طرح دن کی فضا میں ڈوبے جاتے ہیں
کبھی آتے ہیں میداں سے مگر بابا کے کاندھے پر　　　جگر پر ہاتھ ہے کیا زخم برچھی کا چھپاتے ہیں
کلیجے دشمنوں کے جن سے کانپ اٹھے تھے وہ تیور　　　اب ایسے ہو گئے ہیں دوستوں کے دل دکھاتے ہیں
شبِ عاشور جن پر ماں تھی ٹکٹکی باندھے　　　وہ عارض یاد آتے ہیں وہ گیسو یاد آتے ہیں

سنا ہو اور دیکھا ہو کبھی اہلِ تولا نے
ہمیشہ نجم اس انداز کا نوحہ سناتے ہیں

(124)

کربل کی آہ

فاطمہؑ کے گلبدن جانِ رسولِ زمن		ہائے امامِ حسن ہائے امامِ حسن
زہرِ وفا کے شہید راہِ رضا کے شہید		شاہِ زمین و زمن ہائے امامِ حسن
کس کو تھی اس کی خبر ٹکڑے ہوگا دل جگر		سبز ہوا تن بدن ہائے امامِ حسن
وار یہ ایسا چلا گھر ہی بنا کربلا		ہائے شہیدِ وطن ہائے امامِ حسن
تیرے جنازہ پہ بھی تیروں کی بارش ہوئی		اف یہ ستم کا چلن ہائے امامِ حسن
تو نے بہت غم سہا صبر کیا چپ رہا		فاطمہؑ کے کم سخن ہائے امامِ حسن
زینبؑ ماتم نصیب روئے گی کب تک غریب		جان نہ دیدے بہن ہائے امامِ حسن

(125)

زینب آئی

جینے سے گھبرائی ہے زینبؑ		غم کی ستائی لائی ہے زینبؑ
ٹھوکریں کھا کر آئی ہے زینبؑ		جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

ہونٹوں پر آہیں ٹھیری ہوئی ہیں		دل کی صدائیں ڈوب چکی ہیں
تم کو نگاہیں ڈھونڈ رہی ہیں		جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

بپتا سنانے آئی ہوں میں		نیل دکھانے آئی ہوں میں
تم کو جگانے آئی ہوں میں		جاگو میرے پردیسی بھائی

قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

میں نہ تمہاری لاش پہ روتی قبر میں کتنے چین سے سوتی
کاش اگر میں مر گئی ہوتی جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

بچوں کے گیسو دُکھتے ہیں عابد کے پہلو دُکھتے ہیں
اب بھی میرے بازو دکھتے ہیں جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

قبر میں ماں جایا سوتا ہے بھائی نہیں خواہر زندہ ہے
یوں بھی زمانے میں ہوتا ہے جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

قاسمؑ و اکبرؑ بھی نہیں اُٹھتے چھوٹے برادر بھی نہیں اُٹھتے
ہم شکلِ پیمبرؐ بھی نہیں اُٹھتے جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

مظلوموں کا دل نہ دُکھاؤ اُٹھو بیرن سامنے آؤ
دیکھو کہنا مان بھی جاؤ جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

تم کو کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں اب میں وطن کس منہ سے جاؤں
صغرٰا کو کیسے سمجھاؤں جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

صدموں سے رنجور ہے زینبؑ بے بس ہے مجبور ہے زینبؑ
تم سے کتنی دور ہے زینبؑ جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

نوحہ

اب کوئی نہیں قتل ہوئے سیّد ابرار قاسمؑ ہیں نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ علمدار
گھر بھر میں جو باقی ہیں تو اک عابدؑ بیمار
زینبؑ ذرا ان بھائی کے بچوں سے خبردار

گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے آتے ہیں رسالے ہے کون جو رانڈوں کو تباہی سے بچا لے
بڑھتے ہی چلے آتے ہیں خیمہ میں جفا کار
زینبؑ ذرا ان بھائی کے بچوں سے خبردار

تلواروں کی جھنکار سے رن گونج رہا ہے سہمے ہوئے معصوموں یتیموں کا خدا ہے
ننھے سے کلیجہ ہیں دہل جائیں نہ زنہار
زینبؑ ذرا ان بھائی کے بچوں سے خبردار

کعبہ سے مسلمان نظر پھیر چکے ہیں انسان سے انسان نظر پھیر چکے ہیں
مخلوق کے اچھے نظر آتے نہیں آثار
زینبؑ ذرا ان بھائی کے بچوں سے خبردار

ننھے سے کلیجوں کا دہلنا نہیں جاتا وہ پیاس کی شدّت ہے کہ کھیلا نہیں جاتا
یہ بھوک کا عالم ہے کہ اٹھنا بھی ہے دشوار
زینب ذرا ان بھائی کے بچوں سے خبردار

دہشت سے یتیموں کے جگر کانپ رہے ہیں ماں دل سے لگائے ہے مگر کانپ رہے ہیں
ہر وقت یہ دھڑکا ہے کہ آجائیں نہ کفّار
زینبؑ ذرا ان بھائی کے بچوں سے خبردار

پانی جو نہیں تھا تو بہت روتے ہیں بچے بہلانے سے ماؤں کے ابھی سوتے ہیں بچے
گھبرا کے کہیں نیند سے نہ ہو جائیں یہ بیدار
زینبؑ ذرا ان بھائی کے بچوں سے خبردار

ضد کر کے جو روئیں بھی تو سینے سے لگانا راہوں میں جو دھوپ ہو تو گودی میں چھپانا
جانا ہے ابھی شام کو ہونا ہے گرفتار
زینبؑ ذرا ان بھائی کے بچوں سے خبردار

نوحہ

اے فاطمۂ زہرا کے غم و درد کی تصویر مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
پردیس میں تھی شانِ مظلومی شبیرؑ مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
نا فہم نہ سمجھیں گے تری شانِ جلالی یہ منصب عالی
شبیرؑ نے بھی تجھ سے ہی میداں کی رضا لی مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
تو شاہِ شہیداں سے بھی مظلوم ہوا ہے وہ رنج سہا ہے
بے مقنع و چادر تجھے تشہیر کیا ہے مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
بچوں کی محافظ رہی مقتل کی فضا میں زنداں کی بلائیں
دم بھر کو بھی آئی نہ کمی یادِ خدا میں مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
شبیرؑ کے ماتم میں ہوئی تیری شہادت اللہ رے محبت
بھولے گی نہ دنیا وہ ترا عالمِ غربت مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
اک دن سرِ شبیرؑ کی تھی جلوہ نمائی یاد آگئے بھائی
سایہ میں اسی نخل کے جاں اپنی گنوائی مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
بابا کی طرح زخم سرِ پاک پہ کھایا کیا ظلم اٹھایا
جز شکر زباں پر تری اک لفظ نہ آیا مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
تیرے لیے بیتاب ہیں ملت کی خواتین ہوتی نہیں تسکین
سب تیری کنیزیں ہیں تری یاد میں غمگین مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
دنیا سے گئی خلد کو سو رنج اٹھا کر لاکھ اشک بہا کر
تو سوگئی خود مجلس و ماتم کو جگا کر مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر

نوحہ

جاتی ہیں زینبؑ وطن بالی سکینہؑ بغیر
کس کو خبر تھی غریب قید میں بندھ جائے گی

ملّتِ اہلِ عزا حشر کے میدان میں
درد بہ دل جائے گی خاک مر جائے گی

نہر پہ عباسؑ کے ہاتھ کٹے بھی تو کیا
نبضِ شجاعت یہاں اور اُبھر جائے گی

آگیا عشرہ کا دن آج شبیہ نبیؐ
خاک میں بھر جائے گی خون میں بھر جائے گی

غم کی شبِ تار میں قید رہیں گے حرم
ایک سحر آئے گی ایک سحر جائے گی

خون کے دریا سے بھی الفتِ شبیرؑ میں
صبح گذر جائے گی شام گذر جائے گی

اشک سلامت رہیں ماتمِ شبیرؑ کے
اب یہ تیری آبرو دیدۂ تر جائے گی

دشمنِ اربابِ غم ہم کو جلا کر بھی تو دیکھ
خاکِ شفا ہے جدھر خاک اُدھر جائے گی

نجم ہمیں نزع میں صَرفِ عزا دیکھ کر
موت بھی کچھ دیر کو در پہ ٹھہر جائے گی

مسافر کہاں ہے

جو رہا تین دن بھوکا پیاسا وہ محمدؐ کا پیارا نواسا
موت دیتی تھی جس کو دلاسا دشمنوں پر بھی جو مہرباں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے
سونی سونی ہیں یثرب کی گلیاں وہ مدینہ کے پھول اور کلیاں
ہوگئیں خون کی رنگ رلیاں خاک میں مل گیا گلستاں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے
چاند تارے ہیں روئے ہوئے سے کچھ مسافر ہیں کھوئے ہوئے سے
کتنے پردیسی سوئے ہوئے سے راہ میں لٹ گیا کارواں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے
جان دی جس نے راہ خدا پر بھوکا پیاسا گیا زیرِ خنجر
جس کو روتے ہیں محراب و منبر سوگ میں جس کے سارا جہاں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے
گرم ذرّوں کے سینہ میں ہل چل اور گہرا جفاؤں کا بادل
کتنا پُرہول سنسان مقتل ریت ہے رن ہے آبِ رواں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے
مُسکراتی ہوئی بے گناہی سر جھکائے ہوئے بادشاہی
اک مجاہد نمازی سپاہی خاک اور خوں کے درمیاں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے
سہمے سہمے ہوئے سے دُھندلکے رک گئی سانس سورج کی چل کے
رہ گئے چند خیمے بھی جل کے آگ ہے راکھ ہے اور دھواں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے

کاروانِ ماتم

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

ذوق کی کمی سہی نقصِ رہبری سہی　　صرف ماتمی سہی ہے براہِ راستی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

وقفِ شوروشین ہے ہر قدم پہ بین ہے　　لب پہ یاحسینؑ ہے نام ہے یہ زندگی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

تھم گیا ہے بارہا پھر بڑھا ہے بارہا　　لٹ چکا ہے بارہا پھر ہے کارواں وہی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

کل کچھ اور شان تھی زندگی تھی جان تھی　　قوم سب جوان تھی چتونیں تھیں ہاشمی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

جب حسینؑ ساتھ تھے دل کے چین ساتھ تھے　　مشرقین ساتھ تھے کربلا کی راہ تھی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

وہ حسینؑ اب کہاں نازشِ عرب کہاں　　شیر تشنہ لب کہاں اس پہ چل گئی چھری

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

دُکھ اٹھا کے سوگیا سرکٹا کے سوگیا　　مُسکرا کے سوگیا راہِ حق میں جان دی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

وہ سفر ہی اور تھا دشت ہی دُور دُور تھا　　راہبر ہی اور تھا اب کہاں وہ رہبری

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

اکبرؑ حسیں نہیں قاسمؑ حزیں نہیں　　وہ فضا کہیں نہیں وہ قضا نے لوٹ لی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

خون بہا گلے کٹے گھر لٹا گلے کٹے　　ہائے کیا گلے کٹے حیدری و فاطمی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

جوہرِ حیات ہے نازشِ صفات ہے ان کی ایک بات ہے زندگی سے بے رُخی
راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں
پیاس کے ستم سہے لاڈلوں کے غم سہے داغ دم بہ دم سہے تازگی وہی رہی
راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں
غم پہ فتح پاگئے ہنس کے دُکھ اٹھا گئے موت تک جب آگئے موت زندگی بنی
راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں
ہائے دیں نپاہیاں اُف رے کج کلاہیاں تیوروں میں شاہیاں آنکھ میں غضنفری
راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں
ہائے شاہِ کم سپاہ ہائے فاطمہؑ کے ماہ سجدہ گاہ و قتل گاہ یہ نمازِ آخری
راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں
دردِ کربلا رہا طوق میں گلا رہا دل میں ولولہ رہا مرحبا یہ رہروی
راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں
اب بھی اُٹھتے ہیں قدم تعزیہ ہے اور علَم یا حسینؑ اور ہم لَو اسی سے ہے لگی
راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

اسلام کا غرور

میدان سے لاشیں آئی ہیں چہرے بحال ہیں مرنے پہ بھی یہ حُسن ہے کیا خوش جمال ہیں
دونوں شریکِ حال شہِؑ خوشخصال ہیں یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
کس قدر تشنہ کام تھے دریا کو یاد ہے کیسی بَلا کی دھوپ تھی صحرا کو یاد ہے
کیا کیا لڑے ہیں پیاس میں دنیا کو یاد ہے یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
بابا نے حالِ بے سرو ساماں میں جان دی دو بھائیوں نے کوفہ کے زنداں میں جان دی
خود کاروانِ سیّدِ ذیشاں میں جان دی یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
مقتل کا ذکر خنجر و گردن کی بات ہے پورے جواں نہ تھے یہ لڑکپن کی بات ہے
یہ گود کا شعور ہے دامن کی بات ہے یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
آقا کے در پہ ناصیہ سائی بھی دیکھ لی تیغوں میں شانِ جلوہ نمائی بھی دیکھ لی
خیمہ کے در سے ماں نے لڑائی بھی دیکھ لی یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
شکلیں تصورات میں ہیں خونچکاں ابھی مادر کا صبرو ضبط ہے قومی فغاں ابھی
بھولی نہیں زمانہ کو جانبازیاں ابھی یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

نیزے بھی کھائے تیروں کے صدمے بھی سہہ گئے رُخ بھی کیا نہ خیمہ کا میداں میں رہ گئے
یوں حق پہ جان دیتے ہیں دنیا سے کہہ گئے یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
بچپن میں زندگی کے تماشوں کو تج دیا ارمان و آرزو کے تقاضوں کو تج دیا
مادر نے منتوں کو مرادوں کو تج دیا یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
جنت بنائی دامنِ صحرا کو چھوڑ کے یثرب کی دل گداز تمنا کو چھوڑ کے
کیا مطمئن چلے گئے دنیا کو چھوڑ کے یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
ان کی وفا پہ عقل کو عرفاں کو ناز ہے حُسنِ عمل کو قوتِ ایماں کو ناز ہے
صلِ علیٰ شرفتِ انساں کو ناز ہے یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
صدیوں سے اہلِ دل میں کہانی انہیں کی ہے جس کا وفا ہے نام نشانی انہیں کی ہے
روتے ہیں جس کو سب وہ جوانی انہیں کی ہے یہ نوجواں آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

جعفری نونہال

بُستانِ جعفری کے نہالوں کو دیکھنا　　نو خیز نوجوان ہلالوں کو دیکھنا
دشمن کے پیدلوں کو رسالوں کو دیکھنا　　کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
اذنِ جہاد لے کے شہِ حق شناس سے　　کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
فوجِ عدد سے دھوپ سے گرمی سے پیاس سے　　کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
کرار کے جلال کا نقشہ بنے ہوئے　　طیّار کا جمال سراپا بنے ہوئے
زخموں کے ہار پھول سے دولہا بنے ہوئے　　کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
کم سن سپاہیوں میں شہِ کم سپاہ کے　　ہمدم بہادرانِ فلک بارگاہ کے
شاگردِ کج کلاہ علمدارؑ شاہ کے　　کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
یوں موت کی روش پہ بہادر اڑے نہیں　　تلوار کے دھنی کبھی ایسے لڑے نہیں
پھر ایسے معرکے ہی جہاں میں پڑے نہیں　　کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
پیاسوں نے علقمہ کی طرف راہ بھی نہ کی　　جینے کی ایک کوشش دلخواہ بھی نہ کی
زخموں پہ زخم کھائے مگر آہ بھی نہ کی　　کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

کیا جادۂ وفا کو سجاتے ہوئے گئے جنت کی سمت پھول کھلاتے ہوئے گئے
کوثر تلک لہو میں نہاتے ہوئے گئے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

ڈیوڑھی پہ جنگ دیکھنے مادر بھی آگئی شبیرؑ سے شجاع کی خواہر بھی آگئی
آنکھوں کے سکھ کو زینبؑ مضطر بھی آگئی کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

اسلام کے اصول خدا داد کے لیے قرآن کی ہدایت و ارشاد کے لیے
دنیا میں امن و صلح کی بنیاد کے لیے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

دو طفل دس ہزار جوانوں سے لڑ گئے تیروں سے خنجروں سے سنانوں سے لڑ گئے
دو پھول جیسے قلب چٹانوں سے لڑ گئے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

کیا معرکے قدم کے تلے ہیں دکھا گئے کس کے چراغ رن میں جلے ہیں دکھا گئے
کس ماں کا دودھ پی کے پلے ہیں دکھا گئے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

آمدِ شباب

جنگل کی تیرگی کا اُجالا بنے ہوئے　　بگڑی ہوئی اُمید کا نقشہ بنے ہوئے
مادر کے دل کا خونِ تمنا بنے ہوئے　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
کیا کردگارِ حُسن نے صورت بنائی ہے　　کیا خون کے نقاب میں جلوہ نمائی ہے
اِک اِک لہو کی دھار قدم لینے آئی ہے　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
کیا شان مقتضائے طبیعت بھی تھی یہی　　کیا آمدِ شباب کی دعوت بھی تھی یہی
کیا مادرِ غریب کی حسرت بھی تھی یہی　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
آقا پہ جان دے کے خوش اقبال ہوگئے　　مرنے کو کم سنی میں جواں سال ہوگئے
تعمیرِ قوم کے لیے پامال ہوگئے　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
تیغوں کے وار جسم پہ بے حصر وحد لیے　　میداں سے کامیاب وفا کی سند لیے
قبضہ میں سر نوشتِ حیاتِ اَبد لیے　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
بالیں پہ آکے کوئی نویدِ ظفر تو دے　　اللہ غم کی شام کو رنگِ سحر تو دے
بیٹے کے حال کی کوئی ماں کو خبر تو دے　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے

جانباز مرگ و زیست کی تسخیر دیکھ لیں　　اکبرؑ جمالِ صاحبِ شمشیر دیکھ لیں
شبیرؑ آ کے بھائی کی تصویر دیکھ لیں　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسمؑ ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے

تیغیں سحر سے تھے جو سنبھالے نہیں رہے　　سیدانیوں کی گود کے پالے نہیں رہے
دولہا کا روپ دیکھنے والے نہیں رہے　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسمؑ ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے

چشمِ فلک ہے دیدۂ حیرت بنی ہوئی　　دھبہ لہو کا چاند کی رنگت بنی ہوئی
خیمہ کی خامشی ہے قیامت بنی ہوئی　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسمؑ ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے

انجم اس مہِ کمال کے ہالے ہیں قید میں　　سب کائناتِ صبر سنبھالے ہیں قید میں
ان کی بہار دیکھنے والے ہیں قید میں　　زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسمؑ ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے

(134)

فرات پر

تو کاروانِ درد سراپا نہ بن گیا　　صحرا میں داغ سینۂ صحرا نہ بن گیا
تشنہ لبوں کی پیاس کا نقشا نہ بن گیا　　ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

جب فرض سینہ چاک وفا تھی برہنہ سر　　جس وقت دو جہاں میں تھا ماتم اِدھر اُدھر
مہر سپہر تمام دو عالم تھے نوحہ گر　　ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

اصغرؑ نے جب کیا تھا اشارہ ترے لیے   جب مضطرب تھی بالی سکینہؑ ترے لیے
بی بی کا تھا چچا سے تقاضا ترے لیے   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

مارا گیا ترائی میں شیرِ خداؑ کا لال   کیسا لہو میں ڈوب گیا لافتیٰ کا لال
رویا تھا جس کے واسطے خیرالنساءؑ کا لال   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

کس کس نے دکھ اٹھائے تو کس کس نے غم سہا   پیاسوں کا آسرا کوئی باقی نہیں رہا
اک مشکِ آب کے لیے کتنا لہو بہا   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

دنیا کو اس کی طرزِ وفا یاد رہ گئی   یہ اہلِ دل میں وضعِ خدا داد رہ گئی
بچوں پہ انتظار کی بیداد رہ گئی   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

وہ فرضِ صبر و ضبط سے مجبور ہی رہا   پاسِ ادب حسینؑ کا منظور ہی رہا
دریا پہ ہاتھ ڈال کے بھی دور ہی رہا   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

یہ ظلم وجور کون و مکاں دیکھتے رہے   بازو کٹے زمین و زماں دیکھتے رہے
خیمہ کے در سے تشنہ وہاں دیکھتے رہے   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

عشرہ کے دن پہ ماہِ محرم پہ خون ہے   پنجہ لہو میں غرق ہے پرچم پہ خون ہے
کس نوجواں کا گردنِ ظالم پہ خون ہے   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

پیاس

کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں
سیّد مشرقین پیاسے ہیں

قوم کا آفتاب پیاسا ہے۔ ماہِ انجم رکاب پیاسا ہے۔ ہائے جانِ رباب پیاسا ہے
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

ہے چمن کی کلی کلی پیاسی۔ کیوں قضا ہو نہ دل جلی پیاسی۔سیّدہ کی ہے لاڈلی پیاسی
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

پیاس اسلام کی بہارکو ہے۔ دینِ فطرت کے برگ وبار کو ہے۔ پیاس اکبرؑ سے گلعذار کو ہے
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

موت ہے آس پاس ہائے غضب۔گھر کا گھر ہے اُداس ہائے غضب۔جھولے والے کی پیاس ہائے غضب
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

ہر طرف ظلم کا قرینہ ہے۔کس تلاطم میں یہ سفینہ ہے۔ پیاس کا دُکھ ہے اور سکینہؑ ہے
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

لاش اک خوں میں تر ہے منزل پر۔زخم پیکاں لیے ہوئے دل پر۔مشک خالی پڑی ہے ساحل پر
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

جسم پر ہے لہو کی گلکاری۔اب رگوں میں ہے تشنگی جاری۔ اور کچھ بڑھ گئی ہے خودداری
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

مقصدِ کائنات ہے پیاسا۔مصدرِ شش جہات ہے پیاسا۔ رازدارِ حیات ہے پیاسا
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

ہائے وہ پیاس کربلا والی۔ہائے وہ پیاس علقمہ والی۔تشنہ کاموں کا ہے خدا والی
کربلا میں حسین پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

بنت زہراؑ کے لال پیاسے ہیں۔جانِ مسلمؑ کمال پیاسے ہیں۔حسنی نو نہال پیاسے ہیں
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیدِ مشرقین پیاسے ہیں
ننھے بچوں کو پیاس نے مارا۔ صدمۂ بے قیاس نے مارا۔ پانی ملنے کی آس نے مارا
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیدِ مشرقین پیاسے ہیں
تشنگی کا بھی غم عجب غم ہے۔وہی جانے جو اس کا محرم ہے۔ایک ہی دن کی پیاس کیا کم ہے
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں
سیدِ مشرقین پیاسے ہیں

(136)

کربلا نہ بھولیں گے

ظلم جو مسافر پر ہوگیا نہ بھولیں گے — اس کی تشنہ کامی کا ماجرا نہ بھولیں گے
ابتدا نہ بھولیں گے انتہا نہ بھولیں گے — فاطمہؑ کے پیاروں کا مرثیا نہ بھولیں گے
جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے
کیا وہ غم کا افسانہ بھولنے کے قابل ہے — کیا وہ قافلہ پیاسا بھولنے کے قابل ہے
کیا فرات کا پہرا بھولنے کے قابل ہے — قتلِ عام عترت کا بھولنے کے قابل ہے
جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے
جس زمیں پہ دم توڑا وارثِ پیمبرؐ نے — ہر قدم پہ تڑپایا شامیوں کے لشکر نے
آخری اذان دی تھی جس فضا میں اکبرؑ نے — لی جہاں اک انگڑائی تیر کھا کے اصغرؑ نے
جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

سوگوار آنکھوں سے اشکِ غم ڈھلے کتنے　　پھوٹ پھوٹ کر روئے دل کے آبلے کتنے
تا بہ شام آئے ہیں سخت مرحلے کتنے　　عصر تک ہونے تک کٹ گئے گلے کتنے

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

کس غضب کے تیور تھے زخم کھانے والوں کے　　عشق کے مصلّے پر سر کٹانے والوں کے
رن کو جانے والوں کے مر کے آنے والوں کے　　آج تک لرزتے ہیں دل زمانے والوں کے

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

جس کے لال کی میّت خیمہ گاہ تک آئی　　جذبۂ تفاخر سے ماں نے گود پھیلائی
بڑھ گئی تحمّل کی اور کچھ توانائی　　موت نے سلامی دی غم نے کی جبیں سائی

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

رنگ لائی بے ربطی جس جگہ خلافت کی　　کج روی ہوئی ثابت کاروانِ ملت کی
لٹ گئی جہاں رونق مسندِ رسالتؐ کی　　خون ہوگئی آیت جس جگہ مودت کی

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

اس کی یاد میں اِک دن کل جہان روئے گا　　ہر ضعیف روئے گا ہر جوان روئے گا
یہ زمین روئے گی آسمان روئے گا　　اس کا ہر توانائی دے کے جان روئے گا

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

اپنے مرنے والوں کو مجم ہم بھلا دیں گے　　اس کا غم ابھاریں گے سارے غم دبا دیں گے
اس کی یاد خلقت کا مدعا بنا دیں گے　　جی کے بھی دکھا دیں گے مر کے بھی دکھا دیں گے

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

میرِ کارواں اصغرؑ

زندگی کی راہوں میں نورِ جاوداں اصغرؑ   آسمانِ غربت کے نجمِ ضو فشاں اصغرؑ
کربلا پہنچتے ہی ہوگئے جواں اصغرؑ   تو نے ہی مکمل کی غم کی داستاں اصغرؑ
ہائے نونہالوں کے میرِ کارواں اصغرؑ
رن میں لائے ہیں بابا جب لگا کے سینے سے   ہاتھ خود اٹھائے تھے بچپنے میں جینے سے
انتظار اسی دن کا تھا جو چھ مہینے سے   نذر کی ہے جان اپنی کس نئے قرینے سے
ہائے نونہالوں کے میرِ کارواں اصغرؑ
تشنگی کی شدت میں جب زباں دکھائی تھی   موت کا تقاضا تھا جان لب پہ آئی تھی
ظلم کے اندھیرے میں شمع جھلملائی تھی   علقمہ کی موج اُٹھ کر غم سے تھرتھرائی تھی
ہائے نونہالوں کے میرِ کارواں اصغرؑ
آس کیا کرے کوئی اس جہانِ فانی سے   کس کے دل پہ چوٹ آئی دردِ بے زبانی سے
سابقہ ہوا کس کو ایسی مہمانی سے   کچھ کمی نہ آجاتی ایک گھونٹ پانی سے
ہائے نونہالوں کے میرِ کارواں اصغرؑ
کیا یہ رازِ قربانی تم پہ آشکارا تھا   سب تھے چاہنے والے یہ کسے گوارا تھا
کیا یہ ماں کی حسرت تھی باپ کا اشارا تھا   کیا تمہیں بھی میداں سے وقت نے پکارا تھا
ہائے نونہالوں کے میرِ کارواں اصغرؑ
خوں بھری ہوئی شہ نے اپنی آستیں دیکھی   موت کا پسینہ اور چاند سی جبیں دیکھی
آسمان تھراتا کانپتی زمیں دیکھی   ایسی موت دنیا نے پھر کبھی نہیں دیکھی
ہائے نونہالوں کے میرِ کارواں اصغرؑ

حسینؑ کا چہلم

چہلم کرو حسینؑ کا آؤ حسینیو　　آقا کے غم میں اشک بہاؤ حسینیو
ماتم کے داغ نذر کو لاؤ حسینیو　　سوئی ہے کائنات جگاؤ حسینیو

مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

نیزوں نے بھی اسیروں کو بھیجا ہے لوٹ کے　　آنکھوں کے آبلے ہیں کہ روتے ہیں پھوٹ کے
کہتے ہیں صبر و ضبط سر و سینہ کوٹ کے　　دل رہ گئے ہیں قبرِ سکینہؑ پہ چھوٹ کے

مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

بابا کی قبر عابدؑ مضطر بنائیں گے　　نانا خود اپنے شیر کا لاشہ اٹھائیں گے
شیرِ خداؑ نجف سے زیارت کو آئیں گے　　یہ سوئے قبر گود میں مادر کی جائیں گے

مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

فطرت ہے سوگوار شۂِ مشرقین کی　　آواز لارہی ہے صبا شور و شین کی
ہے آج کربلا میں جو مجلس حسینؑ کی　　ممکن ہے یہ صدا ہو سکینہؑ کے بین کی

مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

لاشہ لحد میں ماں نے اُتارا حسینؑ کا   لو چھپ گیا وہ چہرۂ زیبا حسینؑ کا
رکھا ہے خوں بھرا ہوا کُرتا حسینؑ کا   روتا ہے دیکھ دیکھ کے کنبہ حسینؑ کا

مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

اِک بیکس و غریب کا اللہ رے وقار   تا حشر آنکھیں روئیں گی دل ہوں گے بیقرار
ماتم کو ہاتھ اُٹھائیں گے بے عزم و اختیار   مظلومیت رہے گی یہ اے نجم یاد گار

مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

(139)

رگِ جاں

انصارِ حسینؑ میں نمایاں علی اصغرؑ   روشن گہہ صد عالِم امکاں علی اصغرؑ
چھ ماہ کے آفاق میں مہماں علی اصغرؑ   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ

اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

اللہ رے احساسِ حمایت کا قرینہ   طوفان میں آیا جو پیمبرؐ کا سفینہ
دَم بھر میں لہو بن گیا ماتھے کا پسینہ   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ

اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

گہوارہ میں دن ختم کئے عمر گذاری   آئی جو مدینہ سے تو مقتل میں سواری
تاریخ کے اوراق نے تصویر اُتاری   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ

اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

تاریخ یہ انداز کرم دیکھ رہی تھی   خشکی لب دیدۂ نم دیکھ رہی تھی
بے ربطئ پیکانِ ستم دیکھ رہی تھی   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

پھر عالمِ فانی میں یہ محشر نہیں دیکھا   پھر دیدۂ عبرت نے یہ منظر نہیں دیکھا
بے شیر کوئی تیر کی زد پر نہیں دیکھا   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

یوں موت سے بچہ کوئی ٹکرا نہ سکے گا   یوں پیاس میں تیروں کی ہوا کھا نہ سکے گا
اب جھولے سے میداں میں کوئی آ نہ سکے گا   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

قیمت میں ہر اک سانس دو عالم سے گراں تھی   خوشبو لبِ کوثر کی پسینہ میں نہاں تھی
کم سن تھے مگر خوبیِ تقدیر جواں تھی   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

ملت تجھے ہمنامِ علیؑ یاد کرے گی   اِس باغ کی ایک ایک کلی یاد کرے گی
جیتی ہے تو ماں کوکھ جلی یاد کرے گی   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

یاد آئیں گی کس کس کو نہ بچپن کی ادائیں   وہ صبحِ تبسم وہ بھرے گھر کی دعائیں
چلتے ہوئے ماں بہنوں نے لی ہوں گی بلائیں   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

ہائے کربلا والو

(۱)

اے خدا کے بندوں میں منتخب خدا والو
تختِ انّما والو تاجِ ھل اتیٰ والو
شانِ مصطفےٰؐ والو وضعِ مرتضیٰؑ والو
کیا وفا پہ جانیں دیں تم نے اے وفا والو
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۲)

چھوٹے چھوٹے بچوں نے جنگ کی اجازت لی
بڑھ گئے جواں بن کر کم سنی سے رخصت لی
قوم کی حمایت میں عزتِ شہادت لی
زندگی کو کیا کہیے موت سے بھی خدمت لی
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۳)

کس بلا کے جنگل میں آلِ مصطفیٰ ٹھیری
بے دیاروں کا مدفن ارضِ کربلا ٹھیری
آئی شامِ عاشورہ صبح کو وِدا ٹھیری
کیا خبر مدینہ کو شامیوں سے کیا ٹھیری
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۴)

حق پہ مرنے والوں نے جان دی سلیقے سے
شوق سے تمنّا سے عزم سے ارادے سے
زندگی نہ کی پیاری فاطمہؑ کے پیارے سے
ماں کی گود سے آیا کوئی کوئی جھولے سے
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۵)

کوئی تم میں اکبرؑ تھا کوئی تم میں اصغرؑ تھا
کوئی ثانیِ جعفرؑ کوئی مثلِ حیدرؑ تھا
کوئی قدر و قیمت میں دو جہاں سے برتر تھا
زیرِ تیغ کربل میں فاطمہؑ کا گھر بھر تھا
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۶)

اس طرح کے عالم میں پھر نہ دل جگر دیکھے
در پہ آ کے ماؤں نے جنگ کے ہنر دیکھے
اپنے چاند کے ٹکڑے خون میں تر بہ تر دیکھے
ریگِ گرم پر لاشے، برچھیوں پہ سر دیکھے
ہائے کربلا والو، ہائے کربلا والو

پروانۂ شبیرؑ

(۱)

سینوں میں یہی دل ہیں عزا خانۂ شبیرؑ
سر ہیں یہی سنگِ درِ کاشانۂ شبیرؑ
پہنچائیں گے دنیا میں ہم افسانۂ شبیرؑ
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

(۲)

سر جس کا اُتارا گیا سجدے میں خدا کے
نیند آئی جسے سارے زمانے کو جگا کے
جو سوگیا آندھی میں چراغ اپنا جلا کے
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

(۳)

ہم اُس کے فدائی ہیں جو دو دن کا تھا پیاسا
پانی نہ ملا جس کو دمِ ذبح ذرا سا
زہراؑ کا جگربند محمدؐ کا نواسا
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

(۴)

دیکھا نہ سُنا یوں کسی سلطان کا ماتم
ایسا نہ ہوا ناشرِ قرآن کا ماتم
تیرہ سو برس سے ہے عجب شان کا ماتم
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

(۵)

مقبول یہ کوشش ہو کہاں ایسا مقدر
شاید اسی تدبیر سے بخشش ہو میسّر
تم بھی کہو اے نجم یہ پروانوں میں مل کر
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

نوحہ

تو فرش پہ ہے عرش کی تنویر سکینہؑ
تو زینبؑ و زہراؑ کی ہے تصویر سکینہؑ

جاری ہے غریبوں میں ترے صبر کا قانون
ہر قوم ہے شہزادیٔ ملّت تری ممنون

غدّاروں کی کوشش تھی کہ مٹ جائے یہ تعمیر
زندہ ترے ایثار سے ہے مقصدِ شبیرؑ

کیا جان تھی کیا شان تھی ایک ایک نفس میں
صدیوں کا سرانجام کیا چار برس میں

اسلام کی تبلیغ تکلّم کا طریقہ
تاریخ کی عزت ترے بچپن کا سلیقہ

ہر ذرۂ بے مایہ ہوا نور سے روشن
زنداں ترے قدموں سے بنا وادیٔ ایمن

گستاخ ترے حق میں جو اک تنگ بشر تھا
دوزخ میں ملا اس کو ٹھکانہ کہ شرر تھا

حاصل جنہیں معراج ہوئی اہلِ سخن میں
وہ سب ترے مدّاح ہیں جنت کے چمن میں

کیا لفظ سکینہؑ میں ہے تسکین کا ساماں
صدقے تری ہمت کے ترے نام کے قرباں

دنیا کی سمجھ میں یہ مقام آئے گا کیوں کر
زہراؑ کے دُلارے کا ہے سینہ ترا بستر

کس بزم کی تو شمع تھی کس گھر کا اُجالا
معصوم تھی معصوم کی آغوش نے پالا
چاہت تھی تری بانیٔ اسلام کے گھر میں
معصوم ہے تو عصمتِ مطلق کی نظر میں

(143)

چہلم

چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

لو مومنین مجلس و ماتم کے دن چلے
تم ہو غمِ حسینؑ کی آغوش کے پلے
یہ ہاتھ استوار سلامت یہ ولولے
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

جی چاہتا ہے نوحہ کناں سال بھر رہیں
ماتم میں جھولے والے کے با چشمِ تر رہیں
سر پھوڑ کر ضریح سے ہم خود بھی مر رہیں
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

کیا کیا حسین ہیں قاسمؑ و اکبرؑ کو دیکھنا
ڈوبے ہوئے لہو میں ہیں اصغرؑ کو دیکھنا
اس غم میں قوتِ غمِ سرورؑ کو دیکھنا
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

مسلمؑ کے لال ہوگئے بے سر یہ کیا ہوا
زینبؑ کے لاڈلے پہ ہے خنجر یہ کیا ہوا
ساحل پہ لاشِ ثانیِ حیدرؑ یہ کیا ہوا
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

جو قوم کی نجات کا سامان کرگیا
مشکل کو موت زیست کی آسان کرگیا
ایک ایک اپنے لال کو قربان کرگیا
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

یوں خون میں نہاتے ہیں دنیا یہ دیکھ لے
یوں راہِ حق دکھاتے ہیں دنیا یہ دیکھ لے
دنیا کو یوں جگاتے ہیں دنیا یہ دیکھ لے
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

مجلس کو درس گاہِ محبت بنا دیا
ایک عام اتحاد کی دعوت بنا دیا
یوں جان دی کہ درد کو راحت بنا دیا
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

آقا شہیدِ ظلم ہو جس کا وہ کیا کرے
کیونکر نہ اس کی یاد میں آہ و بکا کرے
جلتے رہیں حسینؑ کے دشمن خدا کرے
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

اس غم پہ زندگی کے سہارے نثار ہیں
جو دل کے چین ہیں وہ نظارے نثار ہیں
اے نجم اپنی آنکھوں کے تارے نثار ہیں
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

پَردیسی

شبیرؑ ہی وہ پردیسی ہیں ہر دیس کو اپنا کرتے ہیں
یہ چڑھتے ہوئے سورج کی طرح گھر گھر میں اُجالا کرتے ہیں

مظلوم کو سب جگ روتا ہے مظلوم تو سب کا ہوتا ہے
دُکھ درد سے جن کا میل نہیں وہ اپنا پَرایا کرتے ہیں

ہر سال عرب کی بستی سے آتا ہے جو بھارت نگری میں
مُسلم ہی کا وہ مہمان نہیں ہندو بھی تو سیوا کرتے ہیں

کیا دھرم تھا کوفہ والوں کا مہمان کو پیاسا مار دیا
پانی پہ بھی جھگڑا ہوتا ہے پانی پہ بھی جھگڑا کرتے ہیں

سر کٹتا ہے اِک دھرمی کا ظالم کے ادھرمی ہاتھوں سے
کربل میں بُجھا کر ست کا دیا دُنیا میں اندھیرا کرتے ہیں

لاکھوں پہ بہتر بھاری ہیں کیا بات حُسینی پُرشوں کی
وہ شیر نہ ہاری مانیں گے جو موت کو ٹوکا کرتے ہیں

یہ بات اُنہیں کے ہات رہی سر اُن کے گئے پر بات رہی
دو جگ میں بڑی ہے بات اُن کی جو بات کی رکھشا کرتے ہیں

اشنان لہو سے ہوتا ہے ساونتوں کا رن ویروں کا
یہ آگ لگا کر مایا کو جیون میں اُجالا کرتے ہیں

آنچ آنے لگی اسلام پہ جب اصغرؑ نے بھی جیون وار دیا
اس کُل کے بڑے بھی چھوٹے بھی بگڑی کو بنایا کرتے ہیں

کیوں پیار نہ اُن پر آئے گا جو رن کو گئے تھے جھولے سے
سُنتے ہیں دلوں کے جھولے میں وہ آج بھی جھولا کرتے ہیں

ماتم ہے نبیؐ کے پیاروں کا ماتم میں نبیؐ کے سنگ نہیں
ایسے بھی خُدا کے بندے ہیں بپتا میں پرکھا کرتے ہیں

سنسار کے بھولے بسروں کو اپدیش نیا مل جاتا ہے
ہر سال جو نجمی پیاسوں کا ہم سوگ منایا کرتے ہیں

O